طلسمِ تقدیر

ایک نیم تاریخی افسانہ

از

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور

سنہ ۱۹۳۷ء

طبع سوم
مطبوعہ مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس
حیدرآباد دکن
قیمت ۸/

مصنّف کے دوسرے افسانے

۱- سیر گولکنڈہ - ۱۶ افسانے ۱۲ تصاویر - ۱۶۰ صفحات قیمت ۱۵ ار

۲- گولکنڈہ کے ہیرے - ۶ افسانے ۸ تصاویر - ۱۳۶ صفحات - قیمت ۱۲ ار

تنقید رسالۂ اردو بابت جولائی ۱۹۳۷ء

سیر گولکنڈہ - یہہ بہت دلچسپ کتاب ہے اور دلچسپ طرز میں لکھی گئی ہے
اس میں تاریخ اور فسانے اور واقعات اور تخیل کو اِس خوبی سے سمویا ہے
کہ قطب شاہی دور کی تصویر نظروں کے سامنے پھر جاتی ہے۔
بڑی بڑی تاریخوں کے پڑھنے سے وہ معلومات حاصل نہیں ہوتیں
جو اِس چھوٹی سی کتاب میں ہیں اور نہ وہ لطف اور کیفیت ہے جو
اِس میں ہے۔ اُس وقت کی معاشرت کا رنگ بھی اِس میں
نظر آتا ہے۔

اِس میں اُس زمانہ کے بعض بادشاہوں، شعرا اور مشاہیر
کی تصویریں بھی ہیں جن سے کتاب کی دلکشی بڑھ گئی ہے۔

مولانا عبدالحق بی - اے

فہرست

دیباچہ طبع ثالث

بارہ سال گذر چکے۔ ام اے میں زیر تعلیم تھا جب رسالۂ ارتقا (سکندرآباد) کے مدیر مولوی محمد افضل شریف صاحب کی فرمائش پر ماہ شعبان ۱۳۴۴ھ میں یہ قصہ قلمبند کیا گیا، اور انہیں کے اہتمام سے مطبع معلم العلوم حیدرآباد میں چھپا تھا۔ بعد میں تحقیقی اور تنقیدی ادب کی طرف زیادہ توجہ رہی۔ فسانہ نگاری کا ذوق رہا اور نہ فرصت ملی۔ اس دوران میں مولوی عبدالحق صاحب مہتمم مکتبہ ابراہیمیہ بک ڈپو نے اسکی دوسری اشاعت کی طرف بارہا توجہ دلائی کیونکہ مدیر صاحب ارتقاء کے چھپوائے ہوئے سب نسخے ختم ہو چکے تھے اور طلسم تقدیر کی مانگ برابر جاری تھی۔

دس سال کے بعد جب پھر فسانہ نگاری کی ضرورت محسوس ہوئی اور قطب شاہوں اور گولکنڈہ کی زندگی سے متعلق افسانے لکھے گئے اور انکا ایک مجموعہ "سیر گولکنڈہ" شایع ہوا تو طلسم تقدیر کی طرف بھی توجہ کرنی پڑی۔ اسکی نظر ثانی کی گئی اور گولکنڈہ کے فسانوں کی دوسری جلد "گولکنڈہ کے ہیرے" میں اسکو بھی شامل کر دیا گیا۔ لیکن اب پھر اسکو علحدہ کتابی صورت میں شایع کیا جا رہا ہے۔ کیونکہ دوسری کتاب کا جزو بنا دینا اس پر ظلم کرنا تھا۔ "گولکنڈہ کے ہیرے" میں وہ اپنی بعض اہم خصوصیات سے محروم کر دی گئی تھی۔

طبع اول میں اسکو پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری کے ایک عالمانہ اور مفید

مقدمہ کے ساتھ شائع ہونے کا فخر حاصل ہوا تھا۔ طبع ثانی میں دوسرے افسانوں کے سلسلہ میں منسلک ہونے کی وجہہ سے طلسم تقدیر کو اس نعمت سے محروم رہنا پڑا لیکن اب اس کی تلافی اس طرح ہوگئی ہے کہ راقم الحروف کی خواہش پر مولانائے سروری نے مہربانی فرما کر اپنے مقدمہ کی نظر ثانی کی زحمت گوارا کی اور یہہ چیز اب دوآتشہ ہوگئی ہے۔

جب طلسم تقدیر چھپ رہی تھی تو میرے حقیقی چھوٹے بھائی سید ذکی الدین قادری نے بعالم نوجوانی ہی تالاب میر عالم میں غرقاب ہوکر یکایک انتقال کیا۔ مجھے اس حادثہ کا بے حد صدمہ ہوا تھا چنانچہ اسی اثر کے تحت میں یہہ کتاب میں نے اپنے جواں مرگ بھائی کے نام بطور یادگار معنون کی تھی دوسری طبع کے وقت یہہ التزام بھی باقی نہ رہ سکا تھا جس کا مجھے خاص خیال رہا۔

اس تیسری طباعت کو پیش کرتے وقت بھی اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ یہہ میرے عہد طالب علمی کی تالیف ہے اور یہہ عالم وجود میں نہ آسکتی اگر مولوی عبدالرحمن خاں صاحب سابق صدر کلیہ جامعہ عثمانیہ فسانہ نگاری کی طرف میری توجہہ منعطف نہ کرتے۔ مولوی ضیاء الدین صاحب انصاری ایم۔ اے۔ بی ایس سی آنرس اور نواب عزیز یار جنگ بہادر عزیز کا بھی شکر گذار ہوں کہ اول الذکر نے طبع اول اور موخر الذکر نے طبع ثانی کے وقت مجھے اپنے مشوروں سے مستفید کیا۔

۵ رمضان ۱۳۵۵ھ
رفعت منزل خیریت آباد

سید محی الدین قادری زور

اس ادبی کوشش کو اپنے جواں مرگ بھائی

سیّد ذکیّ الدّین مرحوم

کے نام بطور یادگار معنون کرتا ہوں

۳۰ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۴ھ

سیّد محیُ الدّین قادری زورؔ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

از۔ مولوی محمد عبدالقادر صاحب سروری بی۔ اے

(حال ام اے۔ ال ال بی مددگار پروفیسر اردو جامعہ عثمانیہ)

فسانہ نگاری کا شمار اُن چند فنون میں ہے، جن کو فنونِ لطیفہ کہتے ہیں کیونکہ جن خدمات کی ایک عمدہ فسانے سے توقع کی جاسکتی ہے وہ بعینہ وہی ہیں، جو خود کسی فنِ لطیف سے ممکن ہیں

عام طور سے فنونِ لطیفہ میں معماری، بت تراشی، نقاشی، موسیقی اور ادبیات شامل ہیں۔ ان میں ہر ایک کا رتبہ اس ٹھوس مواد پر منحصر ہے جو ان کے سرانجام کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔ اسکا اصول یہہ ہے کہ مواد جس قدر کم ٹھوس ہوگا، فن اسی قدر بلند رتبہ متصور ہوگا۔ چونکہ سب سے کم ٹھوس مواد یعنے صرف الفاظ کا استعمال، ادبیات میں ہوتا ہے، اسی لئے اس کو دوسرے فنونِ لطیفہ پر فوقیت حاصل ہے۔

انشا پردازوں کو اس امر میں اختلاف ہے کہ فن لطیف کا اطلاق تخلیقی ادب کی ساری کائنات پر ہوتا ہے یا صرف شاعری پر؟ بعض موخر الذکر خیال کے حامی ہیں۔ لیکن

موجودہ سربرآوردہ ادیبوں نے یہہ خیال قایم کیا ہے کہ خود شعر کا تعین مشکل ہے خصوصاً جان رسکن نے تو اس بات کو پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا ہے کہ شاعری نثر میں بھی بوجوہ احسن ممکن ہے لہذا ادبیات سے صرف شاعری مراد لینا نہایت محدود نظری ہے۔

بہرحال اگر ادبیات سے "بہترین خیالات کا اظہار بہترین الفاظ میں" مراد لی جائے تو افسانے کو بھی شاعری کے ساتھ فنون لطیفہ میں شمار کئے بغیر چارہ نہیں کیونکہ جو کام ایک شاعر کر سکتا ہے، ایک فسانہ نگار بھی اس کو بہ حسن و خوبی انجام دے سکتا ہے۔

اس بارے میں مندرجہ ذیل امور قابل توجہ ہیں۔

اوّل۔ یہہ کہ فسانہ ہر نکتۂ نظر سے "فن" (Art) ہے اور اس کی خصوصیات مقتضی ہیں کہ اس کو بھی اس کے ہمجنس فنون لطیفہ کا ہم پلہ سمجھا جاے۔ شاعری کی طرح فسانہ کی فضا بھی غیر محدود ہے، نسل انسانی کی اس سے بے حد توقعات وابستہ ہیں۔ اور اسکی خوبیاں اسی قدر ہیں جتنی کسی دوسرے فن لطیفہ کی ہو سکتی ہیں۔

دوم۔ فسانہ ایک ایسا فن ہے، جو دیگر فنون لطیفہ کی طرح میکانکی فنون Mecha-nicalArts) سے بعد رکھتا ہے۔ کیونکہ جب تک سیکھنے والے میں فطری لگاؤ اور ضروری قابلیت نہ ہو، اس کا سکھایا جانا ناممکن ہے۔

سوم۔ دیگر فنون لطیفہ کی طرح، فسانہ کا انحصار چند اصول پر ہے۔ جو کسی دوسرے فن لطیف کے اصول کی مانند، نہایت صحت اور قطعیت کے ساتھ مدون کئے جا سکتے ہیں۔

ایک خاص امر میں فسانہ کو شاعری پر برتری حاصل ہے۔ یہہ ہر دلعزیزی ہے۔

بلند خیال شاعر صرف تعلیم یافتہ مجالس میں دخل پا سکتا ہے۔ برخلاف اس کے فسانہ نگار، تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ دونوں طبقوں کا ہم جلیس ہے۔ شاعری کا مخاطب عموماً تعلیم یافتہ ہوتا ہے، لیکن فسانہ کا خوان بے دریغ ہر حیثیت کے لوگوں پر کھلا ہوا ہے۔ فسانہ نگار کو کبھی اس کی ضرورت ہی نہیں ہوتی کہ وہ غالب کی طرح ؎

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل — سن سن کے اسے سخنوران کامل

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش — گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل !

کی صدا بلند کرے۔ میر امن دہلوی، سرشار، نذیر احمد، شرر وغیرہ ہر جگہ بے روک ٹوک گھس جاتے ہیں ان کی ہردلعزیزی کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ ایک تعلیم یافتہ اپنی آرام کرسی پر بیٹھے سگریٹ کے دھوئیں اڑاتے ہوئے ان کے مطالعہ سے جو حظ حاصل کر سکتا ہے اس سے کہیں زیادہ وہ لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں جو کسی ٹوٹی چارپائی یا فرسودہ چٹائی پر بیٹھکر ان کا مطالعہ کرتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ افسانہ کی یہی کشادہ آغوشی بعض وقت اس کے حق میں سم قاتل ثابت ہوتی ہے۔ ہر کس و ناکس جس کو فسانہ کی ضروریات کی ذرہ برابر بھی خبر نہ ہو، رفیع الشان فسانہ نگاروں کی ہر دلعزیزی پر دھوکا کھا کر خامہ فرسائی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ ہر جگہ ناخواندہ افسانہ نگار، حشرات الارض کی طرح سطح ارض پر نمودار ہو جاتے ہیں۔ لیکن حقیقی شہرت ہزار میں صرف ایک آدھ ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ فی نفسہ ذات فسانہ اس قسم کے خرافات نگاروں کی بدعنوانیوں سے بے تعلق ہے۔

اسی ہیچ پوچ فسانوی ادب کی کثیر التعداد پیداوار ہم کو ذات فسانہ سے بدظن بنا رہی ہے
ہم اب تک ناول کو اپنے سنجیدہ مطالعے میں شمار کرنے سے دریغ کر رہے ہیں اردو ادب کے
بعض سربرآوردہ انشا پردازوں کا خیال ہے کہ ناول نگاری معمولی ادیبوں کا کام ہے
اگر کوئی شخص کسی ٹھوس کارنامے کے بعد کوئی ناول پیش کرتا ہے تو اس پر طعن طعن کی جاتی ہے
اس ادنے واقعہ سے ہماری بدمزاقی کا پتہ چلتا ہے۔

ہم یہہ دیکھکر خوش ہیں کہ "روح تنقید" کے مصنف نے اس طرف توجہہ کی ہے صاحب
موصوف کا ایک قصہ "تازیانہ" ہم نے اس سے پہلے بھی پڑھا ہے لیکن زیر نظر قصے کا مطالعہ ظاہر
کر رہا ہے کہ مصنف کی تخئیل کی رفتار سرعت کے ساتھ ترقی کر رہی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ
برخلاف پہلے قصے کے اسمیں خاکے کی پیچیدگی کم ہے لیکن ڈراماٹی پیش کشی جو مختصر قصوں کی
جان ہے، وہ اسمیں موجود ہے۔

فسانوی صنف ادب، حسب ذیل قسم کے کارناموں پر مشتمل ہے۔

۱۔ ناممکن الوقوع حوادث کی کہانیاں جیسے "الف لیلہ"۔

۲۔ خلاف قیاس کہانیاں۔ یعنے جن کے واقعات از روے فطرت ممکن ہیں لیکن عادتاً
ایسا نہیں ہوتا "ٹریزر آئلینڈ" یا سند باد جہازی کا قصہ۔ اسکی عمدہ مثالیں ہیں۔

۳۔ ممکن الوقوع حوادث کے قصے۔

۴۔ ضرورتی ناول۔ جو کسی ملک کی ضروریات کو ملحوظ رکھکر لکھے جاتے ہیں۔

"طلسم تقدیر" بہت دلچسپ قصہ ہے۔ بدبخت کمال کی سوانح زندگی جدید قصوں کے

علت و معلول کا ایک غیر منقطع سلسلہ معلوم ہوتی ہے۔ دوسری طرف کہ "خوش قسمت فیاض الدین"
کے حالات کا مطالعہ ہم کو میر آمن دہلوی کی خوشگوار رومانوی فضا میں منتقل کر دیتا ہے۔ یہ قصہ
طربیہ بھی ہے اور حزنیہ بھی۔ خوش قسمت فیاض الدین کا قصہ بدبخت کمال کے حالات کی
تلافی ہے۔ کمال کے سادہ لوحانہ احتیاط کے باوجود نتیجے کو اس کے برخلاف مترتب ہوتے
دیکھ کر ہمارے دل میں ہمدردانہ رنج کے وہی احساسات موجزن ہوتے ہیں جو اینک آرڈن
(Enoch Arden مصنفہ ٹینی سن) کے ناکردہ گناہوں کی سزاؤں کے مشاہدے یا بے گناہ
سلاس مارنر (Silas Marner) کی جمع سے رکھی ہوئی رقم کے لٹ جانے پر ہوتے ہیں۔ حزن طرب
سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شکسپیر کے بہترین ڈراموں میں شاہکار وہ سمجھا جاتا ہے
جو حزنیہ ہے۔ بدبخت کمال کی زندگی کے واقعات کچھ ایسے دل چسپ ہیں کہ اکثر پیش بندیوں
پر ہنسی آتی ہے مگر نتائج پر نہایت افسوس ہوتا ہے۔ اس کی کردار نگاری میں مصنف نے ایک
عجیب ظرافت پوشیدہ رکھی ہے۔ اس میں ایک سادہ لوح کے پورے صفات موجود ہیں۔ پہلے تو
وہ کسی بات کو سمجھنا ہی نہیں چاہتا اور اگر چاہتا بھی ہو تو وہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر سمجھ میں
آتی ہے تو اوس وقت جب وہ اسس کو کر چکتا ہے سریع الاعتقاد اتنا کہ کبوتر کی پرواز پر فوراً
چور کا یقین کر لیتا ہے۔ تاہم اس کے نیک دل ہونے میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ جب وبا پھیلتی ہے
تو وہ اس کا غیر ارادی طور پر ذریعہ بننے کے احساس کی وجہ سے نمازوں پر نمازیں پڑھتا ہے
ہر جگہ ناکامی اور نامرادی اس کے ساتھ ہے کیا بیچارے کی بےکسی اینک یا سلاس کی
حالت سے کم ہے؟ عام طور سے ایک بھائی کی ترقی دوسرا بھائی نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن

اسکا مردہ دل، اور برے جذبات کی طرح حسد سے بھی پاک ہے۔

اس کے رنج دہ حالات کی تلافی خوش قسمت فیاض الدین کی سوانح زندگی کرچکی ہے

جوش ملیح آبادی نے گویا اسی موقع کے لئے کہا تھا۔

"ہم نے پھولوں کو چھوا مرجھا کے کانٹا بن گئے

تم نے کانٹوں پر قدم رکھا" گلستان کردیا"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زور صاحب، ہیراہمن کے قدیم دبستان فسانہ نویسی کو زندہ کرنا چاہتے ہیں۔ طرز بیان ملتا جلتا ہے۔ کمی ہے تو صرف فوق الفطرت واقعات کی لیکن یہ موجودہ ضروریات کے اعتبار سے نہایت موزوں ہے۔ خوش قسمت فیاض الدین کے حالات کی تہ میں ہم کسی خوش نصیب "درویش کی سیر" دیکھتے ہیں۔ سوداگر، بادشاہ اور رضیہ کے ساتھ فیاض الدین کی لڑائی شادی وغیرہ، بہت سے جزئیات منطبق ہوسکتے ہیں۔

واقعات قصہ تاریخی ہیں لیکن انکے استعمال کا طریقہ افسانوی۔ زور صاحب کے قصوں کی دلچسپی کچھ اس وجہہ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ انہوں نے تاریخ کے ایک ایسے راستے پر گامزنی شروع کی ہے، جیپر اس سے پہلے بہت کم فسانہ نویسوں نے قدم رکھا ہے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ شرر صاحب کی طرح جنہوں نے تاریخ اسلام کے ہر انقلابی واقعہ پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھا ہے زور صاحب بھی دکن کی مردہ تاریخ کو فسانوی حیات بخشنے کی کوشش فرمائینگے۔

قصے کے واقعات میں نصب العینیت زیادہ پائی جاتی ہے۔ لیکن جیسا اوپر بیان ہوا ہے اس کو قدیم روایتی قصوں کے گروہ میں شمار کرنا چاہئے جن میں ایک شخص کی اپنی زندگی کے

واقعات کا بیان ہی قصے کا سارا سرمایہ ہوتا ہے ۔

جس بحث پر مصنف نے قصے کی بنیاد رکھی ہے اس کے معرکتہ الارا ہوتے میں شک نہیں تدبیر و تقدیر کی بحث کے خارستان سے قصہ نگار کا دامن بچا کر نکلنا قابل تعریف ہے اور آخر میں جس رفیع الشان نتیجہ پر وہ پہنچتے ہیں وہ پورے قصے کو بلند پایہ بنا رہا ہے۔ ظاہر میں قصہ سادہ اور معمولی ہے لیکن اس کے توسط سے جو مہتم بالشان پیغام نوجوانوں کو پہونچایا گیا ہے وہ سر والٹر اسکاٹ کی تمام شاعری کے بہترین پیغام سے کسی طرح کم نہیں جسکا ماحصل یہ ہے

"مختلف سازوں کی آواز سے ہم آہنگ ہو کر تمام عیش پرست دنیا میں منادی کر دو کہ فتحمند زندگی کی ایک مصروف ساعت، گمنامی کی ایک عمر نوح سے بہتر ہے۔"

مصنف نے اس میں اس قدر اور زیادتی کی ہے کہ صرف محنت ترقی کی ضامن نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قوائے عقلی کا استعمال بھی ضروری ہے۔ اور یہی وہ راز ہے جو کسی شخص کو خوش قسمت فیاض الدین بنا سکتا ہے ۔

ہم نہیں چاہتے کہ تقدیر اور تدبیر پر طویل بحثیں کی جائیں کیونکہ وہ باوجود سخت سے سخت
ہنگامہ آرائیوں کے پایاں کار سعی لاحاصل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ یہ قصہ صرف
اس لئے پیش کیا جا رہا ہے کہ محنت، توجہ اور دور اندیشی کے قطعی ثمروں کو روشناس کرایا جائے
اور وہ بدبختیاں دکھائی جائیں جو اکثر لاابالی پن، نافہمی اور ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے کا نتیجہ ہوتی ہیں
انسان کو خود اپنی قسمت کا آپ معمار ہونا چاہئے، اسلئے کہ خدا امداد کرتا ہے انہی لوگوں کی
جو اپنی آپ مدد کرتے ہیں۔ ایک شاعر نے لکھا تھا اور کس قدر درست لکھا تھا کہ خدائے تعالیٰ نے
ہر شخص کو ایسے ہاتھ ضرور عنایت کئے ہیں جو آسمانوں تک پہونچ سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ پھیلائے جائیں
دنیا میں کوئی کام ایسا نہیں جو ناممکن ہو، صرف ایک نپولین بوناپارٹ کی ضرورت ہے
مگر ہر شخص نپولین نہیں بن سکتا، اس لئے نہیں کہ وہ بننا نہیں چاہتا بلکہ اس لئے کہ وہ بننے کی
کوشش نہیں کرتا۔ کیا نپولین بننے کے معنے صرف یہی ہیں کہ کوئی شخص فرانس کے مخالفین کو
پے در پے زک دیا کرے؟ سوئٹزرلینڈ کے دشوار گذار راستے طے کرے؟ مصر اور سوڈان یا جرمنی
اور یونان پر دھاوے کرے؟ اور آخر کار ایک زبردست شہنشاہ بن جائے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

ہر وہ شخص جو اپنے ماحول کی مخالف قوتوں کو اپنی انتھک کوششوں کے ذریعہ توڑ دیتا ہے اور اپنے راستے کی رکاوٹوں کو اپنی غیر معمولی جرأت وہمت سے دور کر دیتا ہے، صحیح معنوں میں نپولین بن سکتا ہے۔ وہ نپولین نہیں، جو جزیرہ سینٹ ہلینا میں بےکسی اور لاچارگی کی موت ! بلکہ وہ نپولین جس کی خاطر لاکھوں بنی نوع انسان جان دیدینے کے لئے تیار رہا کرتے تھے اور جس کی عظمت کے آگے روئے زمین کے جابر و مطلق العنان حکمراں بھی سرنگوں ہوجاتے تھے

کائنات انصاف پر مبنی ہے، وہ خود انصاف کرتی ہے اور منصف مزاجوں کو پسند بھی کرتی ہے، جو شخص اس کے حق میں انصاف کرتا ہے وہ اس کا بدلہ دئے بغیر نہیں رہتی جو کوئی دنیا میں، اُس دنیا میں جو محشرستان حادثات ہے، دیکھنے والی آنکھ سننے والے کان، سوچنے اور سمجھنے والی عقل اور متاثر ہونے والے دل کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے، زمانہ اس کے لئے تماشہ کے طور پر رنگ برنگ کے نظارے پیش کرتا جاتا ہے۔ دنیا اس کی خاطر قسم قسم کے ترنم خیز نغمے چھیڑتی جاتی ہے، کائنات اس کی دلچسپی کے واسطے آئے دن نئی نئی چیزیں ظاہر کرتی جاتی ہے اور عالم اس کو ہر وقت ایک ایسی شکل میں نظر آنے لگتا ہے جس سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جو شخص خود غرض ہے، خود پرست ہے اور خود نما ہے دنیا بھی اُس کو خود غرض خود پرست اور خود نما نظر آئیگی وہ جب تک دوسروں کی روٹیوں پر کی دال اپنی روٹی پر کھینچتا رہے گا۔ دسترخوانِ عام سے اُس کو بھوکا اٹھنا پڑیگا، وہ جب تک اپنے گھمنڈ میں سرشار رہے گا کائنات کا ایک ایک ذرّہ آفتاب بن کر اُس سے علیحدگی چاہے گا، وہ جب تک

ہر معاملہ میں "من چیزے ہستم" کی صدا بلند کرتا رہے گا ہر ایک معاملہ اس کو "چیزِ دیگر" کی شکل میں نظر آ جائے گا کائنات اور اس کی ساری مخلوق خود انسان کی قلبی اور ذہنی کیفیات کا آئینہ ہوتی ہے
ہمدرد انسان کے ساتھ دنیا کی ساری مخلوق ہمدردی کرنے کے لئے بڑھتی ہے، جس شخص میں خلوص ہوگا، دنیا کا ذرہ ذرہ اس سے بغلگیر ہونے کے لئے اپنے آغوش کو وسیع کرے گا، جو کوئی محبت بھری آنکھوں سے زمانہ پر نظر ڈالتا ہے زمانہ کا ہر منظر اسکو اپنی طرف کھینچنے اور اس کی دلجوئی کرنے میں محو نظر آتا ہے۔ جہاں کہیں کوئی شخص کسی مقصد کی خاطر محنت اور استقلال سے کام کرتا ہے، خود اس کا مقصد اس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔

مقاصد گھاس پھوس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے، لیکن کس کے نزدیک؟ اس انسان کے نزدیک، جس کے پاس محنت اور استقلال کا ذخیرہ ہوتا ہے، جس میں اسکا فقدان ہوتا ہے اسکو اپنے راستہ کا ایک ایک روڑا بھی ہمالیہ کی فلک بوس چوٹیوں سے زیادہ دشوار گذار اور ناقابلِ عبور نظر آتا ہے

انسان کی فطرت میں ہزارہا قسم کی قوتیں ودیعت کردی گئی ہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ ان سے واقف ہو کر ان سے کام لینے کی کوشش کی جائے۔ کہنے کو تو تمام آدمی ہم نژاد وہم قوت ہیں لیکن ایک شخص سلطان علاؤالدین حسن گنگو بن جاتا ہے تو دوسرا ایک معمولی دیہاتی کسان، اس لئے نہیں کہ اول الذکر کسی بادشاہ یا امیر کے گھر پیدا ہوا تھا، بلکہ اسلئے کہ ہمت اور استقلال کے دیوتاؤں کو اس نے اپنا ہمدم بنا لیا تھا، اس لئے نہیں کہ اسکو "مواقع" حاصل ہو گئے تھے بلکہ اس لئے کہ اس نے اپنی محنت اور دیانت کے ذریعہ "موقعوں" کو اپنے طرف آنے کا موقع دیا۔ اس موقع پر مناسب ہوگا کہ ایک پرانے سبق کو دہرایا جائے

جس میں "تم" کے عنوان کے ماتحت کئی خیالات ایک انگریزی مضمون سے اخذ کر کے شائع کئے گئے تھے

(۱)

کیا تم جانتے ہو کہ تمام دنیا میں سب سے زیادہ عظیم بالشان آدمی کون ہے؟ وہ نہ تو بادشاہ ہے، نہ وائسرائے نہ تو پاپائے روم ہے، نہ صدر جمہوریۂ امریکہ۔ اور نہ تو ایسا شخص ہے جسکی قوت، حیثیت یا دولت لوگوں کو رشک یا پرستش پر آمادہ کردے بلکہ وہ خود "تم" ہو اور صرف "تم"

(۲)

شاید تم یہہ خیال کرو گے کہ اپنے متعلق اس قسم کی رائے رکھنا غرور ہے لیکن نہیں، یہہ حقیقت اور صداقت ہے جس کے لئے دلیل کی حاجت نہیں، یہہ ہستی کی اُن بیّن صداقتوں میں سے ہے جو عمومیت کے ساتھ اظہر من الشمس ہونے کے سبب ثبوت کی محتاج نہیں ہوتیں۔

(۳)

تم جو کچھ چاہتے ہو، حاصل کر سکتے ہو۔ اس لئے کہ تمہاری استعداد اور قابلیت کے ارتقاء میں تمہاری خواہشیں جسم یعنی اور ترقی کرتی رہیں گی اور جیسی کچھ تمہاری خواہشیں ہوں گی انکا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگا کر تمہاری استعداد، اُن کو بر لانے کی کوشش کریگی۔

(۴)

انسان کی ساری طاقت، خود اسی کے اندر ہوتی ہے، اس لئے اسکا فرض اولین یہہ ہے کہ وہ اپنے آپ پر پورا بھروسہ کرے۔ تم جس سوسائٹی میں رہتے ہو، اس پر اثر ڈالنے میں تم ہرگز ناکام نہیں رہ سکتے، تم اپنے ماحول کی عزت افزائی اور عظمت کی علمبرداری میں ضرور کامیاب ہو جاؤ گے

(۵)

خواہ تم اُن سیکڑوں یا ہزاروں آدمیوں میں سے ایک ہو جو ایک ہی کارخانہ میں ایک ہی کام کر رہے ہوں، یا تمہارے موجودہ کام معمولی اور ایک ہی قسم کے ہوں، یا تمہاری خودداری اور جوش کو حرکت دینے والے کوئی اسباب نہ ہوں، لیکن پھر بھی تم اپنے آپ پر پورا بھروسہ کر کے خود کو ظاہر کرنے کی کوشش کرو۔ تمہارا کام تمہارے حوصلہ کے مطابق اعلیٰ یا ادنیٰ ہوگا۔ وہ تمہارا صرف کام، فرض منصبی، یا منافع ہی نہ ہوگا بلکہ خود "تم" ہوگے اس لئے کہ صنعت صناع کی قلبی وارداتوں اور دماغی گہرائیوں کا آئینہ ہوتی ہے

(۶)

تمہیں جو کچھ بھی کام کرنے دیا جائے، تمہیں چاہئے کہ اس کو پوری توجہ اور دلچسپی کے ساتھ بلکہ پوری قابلیت کو کام میں لاکر انجام دو تم اس کو اس طرح انجام دینے کی کوشش کرو کہ تمہارے اوپر والے بھی اس کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس کا سارا انحصار صرف "تم" پر ہے۔

(۷)

بغیر اپنی مدد آپ کئے اپنی قسمت پر مایوس یا پست ہمت ہونا خود کی تحقیر کرنا ہے اعلےٰ ارادوں پر مستقل رہنا، ایک نہ ایک دن ضرور بدلہ دیگا۔

(۸)

اپنے موجودہ کام کو اس قدر خوبی سے انجام دو کہ تمہارا کوئی ہم عمر، ہم فہم، ہم لیاقت اس کے قبل اس سے بہتر نہ کر سکا ہو، اس طرح سے تم اپنے کو اعلیٰ سے اعلیٰ کاموں کے اہل بنالو گے

ہمیشہ اس قسم کے اعلےٰ کام تمہارے سامنے پیش ہوتے رہینگے اور اگر تم ان کو اپنے اصلی جوش سے پورا کرو گے تو آئیندہ کی ترقی تمہارے لئے اٹل ہے۔ دنیا کی کوئی قوت تمہیں مرعوب نہیں کر سکتی اگر تم اس بات کا ارادہ کر لو کہ اپنی روح کے مالک اور اپنی قسمت پر قادر ہو جاؤ گے

(۹)

دنیا کے حقیقی بڑے بڑے آدمیوں نے اپنی زندگیوں کو معمولی حالت سے شروع کیا تھا اس سے زیادہ معمولی حالت سے، جس میں اس وقت تم ہو خواہ وہ کسی قسم کی کیوں نہ ہو لیکن انہوں نے خود کو پہچان لیا تھا' انسانی قوت کو جان لیا تھا' اُس انسان کی قوت کو جو کہتا ہو کہ میں اس کو ضرور کر لونگا موقع تمہارے پاس نہیں آئینگے تم ان کے منتظر نہ رہو، بلکہ اپنے جوش اور طاقت سے موقعوں کو پیدا کرنے کی کوشش کرو۔

(۱۰)

تم اس لئے نہیں پیدا ہوئے ہو کہ ہمیشہ اسی موجودہ حالت پر قائم رہو۔ اگر تم چلنے کے لئے تیار ہو تو آگے بڑھنے کے لیے سیکڑوں راستے کھلے ہوئے ہیں۔ اس آگے بڑھنے میں لطف بھی ملتا ہے۔ اگر تم چاہو تو کام بھی تمہارے لئے خوشی کا مخزن بن سکتا ہے۔ اس شخص کے پاس بار گراں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی جس کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے۔

(۱۱)

دنیا ہمیشہ ایسے لوگوں کی محتاج اور منتظر رہتی ہے جو اپنی اہمیت سمجھتے ہیں اور ہر کام کو فرض منصبی کی حیثیت سے اس طرح پورا کرتے ہیں کہ عزت اور عظمت اُن کے گلے کا ہار بن جائے۔

(۱۲)

جو چیز حاصل کرنے کے لایق ہے وہ اس قابل بھی ضرور ہے کہ اس کے لئے محنت کی جائے کسی دوسرے کی ترقی پر ہرگز رنج یا حسد نہ کرو، اپنے وقت کو اپنی شخصیت کے بہترین بنانے میں صرف کرو، جہاں تک ہوسکے موجودہ فرائض کی کاربرآری میں مشغول ہو جاؤ اور نتیجہ کی پروا نہ کرو، وہ تو لازمی ہے، کیونکہ قانونِ قدرت یہی ہے۔

(۱۳)

تمہارے لئے سب سے زیادہ کارآمد تم ہی ہو اس کو بہترین طور پر کام میں لانے کی کوشش کرو اپنے تندرست جسم میں تیار دماغ رکھو۔ اور محنت سے کبھی نہ ڈرو۔ اگر دوسرے محنت سے فائدہ اٹھا رہے ہوں تو ان کو اس سے محروم نہ کرو۔

(۱۴)

دنیا میں سب سے زیادہ اہم آدمی "تم" ہی ہو۔ تم جو کچھ بننا چاہتے ہو بن سکتے ہو، جس قدر تم اپنے لئے کرسکتے ہو کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ ہر چیز کا انحصار "تم" اور صرف "تم" پر ہے۔

اس قصہ کے متعلق اس قدر کہنا کافی ہے، کہ حیدرآباد کے مایہ ناز فرزند اور جامعہ عثمانیہ کے قابل قدر صدر مولوی محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب کی تحریک پر مجھے فسانہ نویسی کا خیال پیدا ہوا چنانچہ میں نے گذشتہ ماہ سرما کی تعطیلات میں ایک فسانہ لکھا جو "تازیانہ" کے عنوان سے "رسالہ نگار" میں شایع ہوا ہے، اس کے بعد ایک انگریزی افسانہ نظر سے گذرا

طلسم تقدیر جس کو مار یہ ایج ورتھ نے غالباً کسی ترکی فسانہ سے ماخوذ کیا ہے۔ چونکہ اس قسم کے خیالات کی ہمیں شدید ضرورت ہے اس لئے میں نے اس امر کی کوشش کی کہ اس افسانہ کو اپنی زبان میں ظاہر کیا جائے۔

احسان فراموشی ہوگی اگر اس موقعہ پر اپنے ایک شفیق دوست کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جنھوں نے اس کام میں بیش قیمت مشورہ دیا میں خاص طور پر محبی مولوی ضیاء الدین صاحب انصاری ایم۔ اے کا ممنونِ منت ہوں جو اس وقت تک پروفیسر ریاضی کلیہ جامعہ عثمانیہ تھے اور اب انجنیری کی تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے جا رہے ہیں۔

رفعت منزل۔ اقامت خانہ
کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن
شنبہ ۵۔ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ

سید محی الدین قادری زورؔ
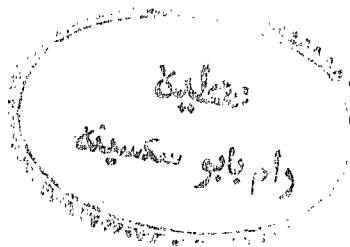
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دہلی کے بیتاب باشہنشاہ اور آخری مغل اعظم نے چند روز قبل گولکنڈہ فتح کیکے حیدرآباد اور حیدرآبادیوں پر ایک محشر خیز اثر ڈالا ہے۔ کئی ماہ کے محاصرے اور کئی سال کی پریشانیوں کے بعد اب چند روز کے لئے مغلوں کی ٹڈی دل افواج کو آرام کی نیند لینے کا موقع ملا ہے، گولکنڈہ اور حیدرآباد کے باشندوں کو بھی آئے دن کی کشمکشوں اور تباہیوں کے متعلق ایک قسم کا اطمینان ہوگیا ہے کیونکہ محاصرہ گولکنڈہ انکے لئے معرکہ قیامت سے کم نہ تھا، اب عظیم الشان قطب شاہی سلطنت حرف غلط کی طرح محو کر دی گئی ہے، مغلوں کے فتحمند پرچم "بالاحصار" پر لہرا رہے ہیں، دکن کا محبوب حکمراں تاناشاہ اور اُن کی نازنین بیگمات گرفتار کر لی گئی ہیں اور انہیں ہمیشہ کے لئے اپنی راجدھانی، اپنے وطن اور اپنے عزیز ترین مسکن سے جدا ہونا پڑا ہے۔

رات کا وقت ہے، آسمان پر چاند کا کامل عمل دخل ہو چکا ہے، سر بفلک میناروں اور عالیشان محلوں کی روشنیاں جو کبھی کھلے بندوں عیش و عشرت کی چنلیاں کھایا کرتی تھیں اس وقت دروازوں اور دریچوں کی روزنوں سے سہم سہم کر باہر نکل رہی ہیں، بازاروں میں، گلیوں میں، اور مکانوں پر شہر خموشاں کا سا حیرتناک سکوت چھایا ہوا ہے سناٹے کا عالم ہے آواز تک سنائی نہیں دیتی، کہیں کہیں موہوم سی شکلیں نظر آجاتی ہیں، ایسا معلوم ہوتا

شبستانِ عیش و عشرت کی ضیا پاشیاں ترنم انگیز قہقہوں کی طرح نکل نکل کر تقدس مآب خاموشیوں کے دامن میں چھپ رہی ہیں اور اس کے اثر سے نیلگوں آسمان کے رقصاں ستارے اپنی درخشاں رنگ رلیوں کو چھوڑ کر اونگھنے لگے ہیں اس بھیانک فضائے خاموشی اور حیرت خیز عالم جمود کے مہر سکوت کو دو راہروؤں کے قدموں کی چاپ توڑتی جا رہی ہے اور قدرت کے اس خود ساختہ سماں میں خلل در معقولات کا نظارہ دکھلا رہی ہے، ان میں ایک شخص جو بہت بوڑھا معلوم ہوتا ہے آگے آگے چل رہا ہے اور دوسرا اگرچہ بظاہر اس کے برابر برابر چلنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اس کی ہر ایک حرکت ظاہر کر رہی ہے کہ وہ اس بوڑھے ساتھی کا یا تو اطاعت گذار بیٹا ہے یا کوئی فرماں بردار ملازم۔

اس وقت تھوڑے فاصلہ پر حسینی علم کے چراغ جھلملاتے نظر آرہے ہیں اور اسکے مقابل ایک عالیشان مگر تاریک محل کا بند دروازہ اپنی غیر معمولی بلندی کی وجہہ سے راہروؤں کی توجہہ اپنی طرف منعطف کر لینے کا باعث بنتا ہے چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پیچھے پیچھے چلنے والا شخص اس بوڑھے سے یوں مخاطب ہوتا ہے :۔

"پیر و مرشد! میں نے سنا کہ یہہ وہی مکان ہے جس میں میر جملہ کا داماد سید سلطان رہا کرتا تھا قبلۂ عالم کو معلوم ہوگا کہ سید سلطان کو عبداللہ قطب شاہ خود اپنی بیٹی دینے والے تھے، لیکن حضور! تقدیر میں تھا کہ وہ لڑکی سلطان ابوالحسن کو بیاہی جائے کیونکہ سید سلطان سے شادی ہو سکتی، وہ ابھی شب گشت کی تیاری میں مصروف تھا کہ ابوالحسن کا نکاح پڑھا گیا اور سلامی کی توپیں سر ہونے لگیں، سید سلطان کو بے حد غصہ آیا لیکن کرتا کیا مجبور تھا چار و ناچار

حضرت قبلۂ دو جہاں کے ظل عاطفت میں پناہ لی اگر تقدیر ہی ہوتا تو ابوالحسن کی جگہ سید سلطان ہی عبداللہ قطب شاہ کے بعد تخت نشین ہوتا۔"

"روح اللہ خاں! کیا تم سمجھتے ہو کہ کوئی شخص بغیر سعی و کوشش اور بغیر تدبیر کے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب حاصل کر سکتا ہے؟"

عالم پناہ! میرا خیال ہے کہ بغیر تقدیر کی یاوری کے انسان کی ہر ایک تدبیر بیکار ہے انسان کیا اور اس کی بساط کیا جو کچھ کر سکے۔"

"روح اللہ خاں! دیکھو ہر قسم کی ترقی کا انحصار ہمیشہ تدبیر اور محنت پر ہے بغیر محنت کیے ایک وقت کا کھانا بھی تو میسر نہیں آسکتا؟"

"لیکن پیر و مرشد ہم ہر روز لوگوں کے متعلق سنتے ہیں کہ فلاں خوش قسمت ہے اور فلاں بد قسمت، اگر خوش قسمتی اور بد قسمتی کوئی چیز نہ ہوتی تو یہ باتیں زبان زد خاص و عام کیوں ہو جاتیں؟ عالم پناہ! ع

تا نباشد چیزکے مردم نہ گویند چیز ہا"

"یہ تمہارا صرف خیال ہی خیال ہے، کیا تم اس کے متعلق کوئی دلیل پیش کر سکتے ہو؟"

"پیر و مرشد! بھلا میں قبلۂ دو جہاں سے بحث کر سکتا ہوں؟"

"نہیں یہ بات نہیں، اگر تم کوئی دلیل پیش کر سکتے ہو تو بخوشی پیش کرو، میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم اپنا دلی منشاء بغیر کسی پس و پیش کے ظاہر کر دو۔" دیکھو لوگ ایک دوسرے کو خوش قسمت یا بد قسمت صرف اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ واقعات کا غور سے مطالعہ نہیں کرتے

اور ان گہرائیوں پر روشنی نہیں ڈالتے جن میں لوگوں کی اپنی بیوقوفیاں یا عقلمندیاں مضمر ہوتی ہیں اور جن کے معلوم نہ کر سکنے کی بناء پر وہ کسی کو بدقسمت یا خوش قسمت سمجھنے لگتے ہیں"

"قبلہ! وہ جہاں! میں دلائل تو کیا بیان کروں مثال کے طور پر اس قدر ضرور کہونگا کہ اسی دارالبہار میں دو شخص ایسے بھی موجود ہیں جو اپنی خوش قسمتی یا بدقسمتی کے باعث مشہور ہیں، ایک کا نام بدبخت کمال ہے اور دوسرے کا خوش قسمت فیاض الدین دونوں حقیقی بھائی ہیں لیکن تقدیر نے ایک کو مفلس اور منحوس کر دیا اور دوسرے کو دولتمند اور صاحب عزت"

"ہاں ہاں! ٹھیک ہے اگر تم انہی دونوں کے مفصل حالات سنو گے اور ان کی کامیابی اور ناکامی کے اسباب پر غور کرو گے تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ ان میں سے جو خوش قسمت مشہور ہے وہ ضرور عقلمند ہے اور جو بدقسمت سمجھا جاتا ہے وہ یقیناً بیوقوف، وہ لوگ کہاں رہتے ہیں؟ چلو میرے ساتھ چلو میں بھی انکے حالات سننے کا مشتاق ہوں"

"بدبخت کمال یہاں سے قریب ہی تو رہتا ہے"

دونوں راہرؤں نے تیزی سے قدم بڑھائے اور ابھی مکان کے قریب پہونچنے بھی نہ پائے تھے کہ زور سے چیخنے کی آواز آئی۔

۳

دونوں نے آواز کی سمت کا رخ کیا دیکھتے کیا ہیں کہ دروازہ بالکل کھلا ہوا ہے اور وہیں ایک آدمی اپنا شملہ پھاڑتا کھڑا ہے اور روتا جا رہا ہے۔

اُن دونوں نے اس کے قریب پہونچ کر اس کی مصیبت کا سبب دریافت کیا۔ اُس نے ایک چینی برتن کے ٹکڑوں کی طرف اشارہ کیا جو دروازے کے سامنے فرش پر بکھرے پڑے تھے۔

قبلۂ عالم نے ایک ٹکڑا اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اگرچہ یہ خوش نما برتن تھا! لیکن کیا ایک چینی کا برتن ٹوٹ جانے پر اس قدر رنج کرنا چاہیے؟"

"آہ جناب!" برتن کے مالک نے ان کے سوداگرانہ لباس پر نظر ڈالتے ہوئے کہا "آپ نہیں جانتے اس رنج و غم کا سبب کس قدر تکلیف دہ ہے" آپ کو نہیں معلوم کہ آپ بدبخت کمال سے باتیں کر رہے ہیں اگر آپ میری اُن تمام بدبختیوں کو سنیں جو میری پیدائش سے اب تک مجھے گھیری رہیں تو یقین ہے کہ آپ کو ضرور مجھ پر ترس آئیگا اور آپ سمجھینگے کہ میرا رونا کس قدر حق بجانب ہے"

متعجب ہو کر قبلۂ عالم نے اس کے حالات سننے کا شوق ظاہر کیا اور کمال نے جب دیکھا کہ ایک مہذب اور وجیہہ شخص اس کے ساتھ ہمدردی کر رہا ہے تو وہ اپنا قصہ بیان کرنے پر مجبور ہو گیا۔

"جناب عالی! میں بدقت آپ جیسے حضرات کو مجھ جیسے بدبخت کے گھر تشریف فرما ہونے کی دعوت دے سکتا ہوں۔ لیکن اگر آپ ایک رات یہاں قیام کرنے کی تکلیف گوارہ فرمائیں تو تفصیل سے میرا قصہ سُن سکتے ہیں"

قبلہ عالم اور روح اللہ خاں نے یہہ کہتے ہوئے وہاں رات بسر کرنے سے معافی چاہی کہ ان کو بخشی کے گھر جانا ہے جہاں اُن کے ساتھی تاجر اُن کا انتظار کر رہے ہونگے لیکن انہوں نے کہا کہ:-

"ہم ایک گھنٹہ تمہارے مکان پر ٹہیر سکینگے اور اگر تمہارا رنج تازہ ہونے کا اندیشہ نہو تو اپنی زندگی کے واقعات مختصراً بیان کرو"۔

ایسے بدبخت بہت کم ہونگے جو موقع اور ہمدرد پاکر اپنی بدقسمتی کے واقعات بیان کرنے پر مجبور نہ ہوجاتے ہوں چنانچہ ان دونوں مہمانوں کے بیٹھتے ہی کمال نے اپنا قصہ اس طرح شروع کیا:-

"میرے والد اس بدقسمت شہر کے ایک سوداگر تھے، میرے پیدا ہونے سے ایک رات قبل انہوں نے خواب میں دیکھا کہ میں اس دنیا میں کتے کا سر اور اژدہے کی دم کے ساتھ پیدا ہوا ہوں، اس بدشکل کو چھپانے کے لئے انہوں نے پیدا ہوتے ہی مجھے ایک کپڑے میں لپیٹ دیا جو اتفاقاً میری بدقسمتی سے عبداللہ قطب شاہ کا شملہ تھا بادشاہ نے اس ہتک سے خفا ہوکر ان کا سر اڑا دینے کا حکم دیا۔

میرے والد سر کھونے سے پہلے ہی نیند سے جاگ اٹھے، لیکن خواب کی وحشت نے انہیں بدحواس کر رکھا تھا۔ اس کو انہوں نے خدا کی طرف سے تنبیہ خیال کیا اور عہد کر بیٹھے کہ مجھے نہ دیکھینگے چنانچہ انہوں نے یہہ بھی دیکھنے کی پرواہ نہ کی کہ آیا میں کتے کا سر اور اژدہے کی دُم کے ساتھ پیدا ہوتا ہوں یا کیا، فوراً بیجاپور کی طرف روانہ ہوگئے اور

سات کسال تک گھر کا رخ نہ کیا، اس عرصہ میں تعلیم و تربیت سے بالکل محروم رہا ایک دن
میں نے اپنی ماں سے دریافت کیا کہ میرا نام بدبخت کمال کیوں رکھا گیا ہے تو انہوں نے
مجھ سے کہا کہ میرے والد کے وحشت ناک خواب کی بناء پر مجھے یہہ لقب دیا گیا ہے لیکن
ساتھ ہی انہوں نے یہہ بھی کہا کہ اگر میں اپنی زندگی میں خوش قسمت ثابت ہوں تو میرا
یہہ نام فراموش کر دیا جائے گا، میری انّا نے جو بہت بوڑھی تھی اور اس وقت موجود تھی
اس انداز سے جو کبھی مجھ سے بھولا نہ جائے گا سر ہلا کر میری والدہ سے کہا کہ :۔

"یہہ بدقسمت تھا، ہے، اور ہمیشہ رہے گا، وہ لوگ جو بدقسمت پیدا ہوتے ہیں نہ وہ خود
اپنی بہتری کے لئے کچھ کر سکتے ہیں اور نہ کوئی دوسرا سوائے رسول خدا کے، انکے لئے کچھ
کر سکتا ہے قسمت سے جھگڑنا بدقسمت آدمی کی غلطی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ وہ راضی برضا رہے"

ان باتوں نے مجھے بے حد متاثر کیا اس وقت تو خیر میں بچہ ہی تھا۔ لیکن اس کے
بعد سے جس قدر واقعات پیش آتے گئے میری انّا کی پیشنگوئی پر میرا اعتقاد قایم ہوتا گیا میری
عمر آٹھہ برس کی تھی کہ میرے والد سفر سے واپس آئے ان کے آنے کے ایک سال بعد میرا
بھائی فیاض الدین پیدا ہوا، اس کا نام خوش قسمت فیاض الدین اس لئے رکھا گیا
کہ اس کی پیدائش سے ایک روز قبل سلطان عبداللہ قطب شاہ نے اپنی ایک لڑکی اسی
اورنگ زیب بادشاہ کے فرزند سلطان محمد کے نکاح میں دی تھی اور اس تقریب میں میرے
والد کی دوکان سے ہزار ہا روپیہ کے جواہرات خریدے گئے تھے اور ان کو چوالیس ہزار روپیہ
کا منافع ہوا تھا۔ میں آپ کو خوش قسمتی کے وہ تمام چھوٹے چھوٹے واقعات سننے کی

قسمت انہیں دینا چاہتا تھا جن کی وجہہ سے میرے بھائی فیاض الدین نے بچپن ہی میں امتیاز حاصل کرلیا تھا۔ بڑا ہونے کے بعد بھی اس نے جس کام میں قدم رکھا اس کی کامیابی اسی قدر تعجب انگیز ہوتی تھی جس قدر میری بدبختی میری کوششوں میں۔ اس چالیس ہزار روپیہ منافع کے بعد سے ہم شان وشوکت سے رہنے لگے اور لطف یہہ کہ میرے والد کا سارا تمول بھائی فیاض الدین ہی کی نیک قدمی پر محمول کیا جانے لگا!

۳

فیاض الدین بیس برس کا تھا کہ میرے والد سخت بیمار ہو گئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ آثار بُرے ہیں تو میرے بھائی کو بستر کے پاس بلا بھیجا اور نصیحت کی کہ "دیکھو ہماری شان وشوکت کی زندگی نے ہماری دولت کا خاتمہ کر دیا ہے بیجاپور کی دوکان کی آمدنی اور ترقی کی امید پر میں نے یہاں کی دوکان کو بھی زیربار کر لیا اور اپنی چادر سے باہر پاؤں پھیلائے اس وقت میرے یہاں سوائے دو قیمتی خوبصورت برتنوں کے اور کچھ نہیں، یہہ دونوں تم خود لے لو اور آیندہ احتیاط سے رہو کمال کو اپنے معاملات میں کبھی شریک نہ کرنا وہ تو پیدائشی بد قسمت ہے"

غرض میرے والد نے اپنے بعد ہم لوگوں کے لئے سوائے چینی کے دو خوبصورت برتنوں کے کوئی اور قیمتی چیز نہ چھوڑی، ان برتنوں میں عجیب بات یہہ تھی کہ ان پر ایک انوکھی قسم کا نقش تھا جو رکھنے والے کی قسمت کا طلسم سمجھا جاتا تھا، میرے والد نے فیاض الدین سے اسی لئے کہا تھا کہ وہ ان میں سے مجھے ایک بھی نہ دے اس لئے کہ

میں اس قدر بد قسمت ہوں کہ وہ کسی نہ کسی طرح میرے ہاتھ سے ضایع ہو جائیگا والد کے انتقال کے بعد بھائی فیاض الدین نے جو واقعی ایک فیاض شخص ہے وہ دونوں برتن میرے سامنے رکھدیئے اور مجھ سے کہا کہ "ان میں کوئی ایک اپنے لئے منتخب کرو" اور یہہ بھی کہدیا کہ "میں خوش قسمتی بد قسمتی جیسی باتوں کا قائل نہیں" میں اس کے اس خیال کو کسی طرح مان تو نہیں سکتا تھا لیکن اس مہربانی کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ وہ مجھے کس طرح اس بدقسمتی سے نکالنا چاہتا ہے مجھے تو یقین تھا کہ میں لاکھہ کوشش کیوں نہ کروں پھر بھی کمال ابدبخت کمال ہی رہونگا۔ اس کے برخلاف میرا بھائی مفلسی اور بے کسی کی حالت میں بھی پست ہمت نہ ہوتا تھا اور کہتا تھا کہ "کسی نہ کسی طرح آمدنی کا ذریعہ پیدا کرہی لونگا"

ان چینی کے برتنوں میں خرمزی رنگ کا سفوف تھا جس سے میرے بھائی کے دل میں رنگوں کے بنانے کا خیال پیدا ہوا چنانچہ ذراسی کوشش کے بعد وہ ایک نفیس رنگ تیار کرنے میں کامیاب بھی ہوگیا۔

والد کی زندگی میں ہماری والدہ ایک سوداگر سے جس کی سلطان عبداللہ قطب شاہ کے محل میں آمدورفت تھی قیمتی کپڑے خریدا کرتی تھیں، اس زمانہ میں بھائی فیاض الدین نے اس سوداگر کے ساتھہ شاید کوئی سلوک کیا تھا کہ اب حرم سرا میں اس نے اس رنگ کی بڑی تعریف کی اور دراصل یہہ رنگ تھا بھی خوشنما کہ اس کے دیکھنے کے بعد دوسرے رنگوں سے جی ہٹ جاتا تھا چنانچہ محل کے لئے کثرت سے رنگ خریدا جانے لگا اور سارے شہر میں اس رنگ کی شہرت ہوگئی اب فیاض الدین کی دوکان پر خریداروں کا اژدحام رہنے لگا۔

فیاض الدین کی خوش اخلاقی اور شگفتہ مزاجی نے اس رنگ کی قدر اور بھی بڑھا دی برخلاف اس کے میں دیکھتا تھا کہ میرے منحوس چہرے پر جو بھی نظر ڈالتا مجھ سے متنفر ہو جاتا اور اس طرح مجھے یقین ہو گیا کہ میں واقعی بدقسمت ہوں۔

ایک وقت کا واقعہ ہے کہ حیدرآباد کی ایک مشہور طوائف کامنی بائی میرے بھائی کی دوکان پر دو تین ملازمین کے ساتھ کچھ خرید نے آئی، اس وقت میرا بھائی مجھے دوکان پر چھوڑ کر کہیں باہر گیا ہوا تھا چند چیزیں دیکھنے کے بعد اس کی نظر میرے چینی کے برتن پر پڑی جو وہیں کمرے میں رکھا ہوا تھا، یہ برتن اس کو بہت پسند آیا اور اس نے کہا کہ "جو قیمت چاہو لے لو لیکن یہ برتن میرے حوالہ کر دو" میں نے اس خیال سے کہ طلسم کے دیدینے کے بعد نہ معلوم مجھ پر کیا بلا نازل ہو اس برتن کو فروخت کرنے سے قطعی انکار کر دیا، میرے انکار پر کامنی بائی کی طبیعت میں اور بھی ضد پیدا ہوئی نریاہٹ تو مشہور ہی ہے اس نے مجھے اور بھی مجبور کرنا شروع کیا لیکن خوشامد اور قیمت کوئی بھی مجھ احدی کے ارادے کو بدل نہ سکتی تھی۔

۴

تھوڑی دیر کے بعد فیاض الدین آ گیا میں نے سارا واقعہ بیان کیا، میرا یہ خیال تھا کہ وہ میری اس عقلمندی پر خوش ہو کر میری تعریف کریگا، برخلاف اس کے اس نے مجھے میری اس حماقت پر برا بھلا کہا کہ میں صرف طلسم کے وہم پر اچھی خاصی آمدنی کھو بیٹھا، مگر میں نہ تو اس کی رائے سے موافقت کر سکتا تھا اور نہ اس کی نصیحتوں پر کاربند ہو سکتا

دوسرے دن کامنی بائی پھر آئی اور میرے بھائی کا رتن پانچ سو اشرفیوں کے بدلے مول لے لیا۔ اس کثیر رقم کو میرے بھائی نے اچھا اچھا سامان خریدنے میں صرف کیا۔ یہہ دیکھکر میں بہت پچھتایا۔ لیکن "اب پچھتائے کیا ہووت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت" میں نے خیال کیا کہ یہہ صرف بدبختی ہے جو وقت پر ٹھیک فیصلہ کرنے نہیں دیتی، چنانچہ اس موقع کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد میں ہمیشہ پچھتاتا اور اُسکو اپنی بدقسمتی پر محمول کرتا رہا۔

جس طوایف نے بھائی غیاض الدین کا رتن خریدا تھا وہ دیوان کی چہیتی تھی اور حیدرآباد کے طوائفوں میں سب سے زیادہ با اثر تھی وہ مجھ سے اس قدر متنفر ہوگئی تھی کہ میری موجودگی میں ہماری دوکان پر آنا بھی پسند نہ کرتی تھی، اور یہہ عجیب معاملہ آن پڑا تھا کہ میرا بھائی بھی مجھ سے جدا ہونا نہیں چاہتا تھا، لیکن میں نے یہہ پسند نہ کیا کہ ایسے مہربان بھائی کی ترقی کو اپنی نحوست کی وجہہ سے روکے رہوں، اس لئے بغیر کچھ کہے سنے میں گھر سے چلدیا اور یہہ بھی خیال نہ کیا کہ اب میرا کیا حال ہوگا؟ گھر سے علٰحدہ ہونے کے بعد جب بھوک نے مجبور کیا کہ کسی نہ کسی طرح پیٹ کی دوزخ کو بھروں تو میں ایک بھٹیارے کی دوکان کے سامنے پتھر پر بیٹھ گیا، اس وقت اشتہا کے علاوہ تازہ تازہ روٹیوں کی بُو نے مجھے بھیک مانگنے پر بھی مجبور کردیا۔

بھٹیارے نے اس شرط پر مجھے پیٹ بھر کر روٹی دینے کا وعدہ کیا کہ میں اُس دن اُسکے کپڑے پہن کر شہر میں رات کی روٹیاں تقسیم کرنے جاؤں، میں اس پر فوراً راضی ہوگیا، لیکن بہت جلد مجھے پچھتانا پڑا! اگر میری قسمت اس وقت میری رہبری کرتی تو میں

اس بھٹیارے کی بدمعاشی اور مکاری کو فوراً تاڑ جاتا اس لئے کہ چند روز سے اسکے گاہک روٹیوں کی مقدار اور حالت سے بدظن ہوتے جا رہے تھے اس قسم کی بدظنیوں سے اکثر بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور بعض دفعہ تو نانبائیوں اور بھٹیاروں کی جان پر بھی آبنتی ہے، ان تمام واقعات کو میں اچھی طرح سے جانتا تھا لیکن افسوس اس عین موقعہ پر میرے حافظہ نے میرا ساتھ نہ دیا۔

غرض نانبائی بن کر غریب کی گلی سے بدقت گذرنے پایا تھا کہ لوگوں نے میرے اطراف جمع ہو کر گالیاں دینی شروع کیں یہ مجمع چار محل تک میرے ساتھ ساتھ رہا۔ آخرکار کوتوال نے مجھے گرفتار کر کے مقید کر دینے کا حکم صادر کیا۔

۵

میں نے منت سماجت کی کہ میں دراصل وہ نانبائی نہیں ہوں جس کے خیال سے مجھے ماخوذ کیا جا رہا ہے، نہ تو مجھے اس سے کوئی تعلق ہے اور نہ اہل شہر کو میں نے خراب روٹیاں کھلائی ہیں، اور میں نے یہ بھی کہدیا کہ آج جو میں نے بھٹیارے کے کپڑے پہن رکھے ہیں اس کی وجہہ صرف میری بدقسمتی ہے، مجمع میں سے اس وقت بعضوں نے کہا کہ مجھے اس غلطی اور حماقت کی سزا بھگتنی چاہئیے لیکن اکثروں نے میری حالت پر رحم کھا کر میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ ان لوگوں کے خیالات جب کوتوال کو معلوم ہوئے تو اس نے مجھے چھوڑ دینے کا حکم صادر کیا

اب میں حیدرآباد کو خیرباد کہہ کر نکلا اور برتن بھائی کے پاس ہی چھوڑ دیا شہر سے

تھوڑی دور مجھے سپاہیوں کا ایک گروہ ملا جو تانا شاہ کی بڑی فوج میں شامل ہونے

کے لئے جا رہا تھا جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ بڑی فوج شہنشاہ دہلی کے مقابلہ کے لئے

تیار ہو رہی ہے تو میں بھی اس گروہ کے ساتھ ہو گیا۔ کیونکہ بد قسمتی نے مجھے اس قدر مجبور

کر دیا تھا کہ میں نے زندگی پر موت کو ترجیح دی۔ اور دل میں ٹھان لیا کہ اگر کبھی موقع

بھی ملے تو میں اپنی جان بچانے کی کوشش ہرگز نہ کروں گا۔

سیڑم تک راستہ میں سارا دن چٹا پیتے ہوئے سامان کی گاڑیوں پر بے فکر پاؤں

پھیلائے بیٹھا رہا، مجھے یقین ہے کہ اگر راستہ میں کوئی حادثہ پیش آتا مثلاً ڈاکو ٹوٹ پڑتے

یا مغل فوج سے مقابلہ ہو جاتا تو میں کبھی اپنی حفاظت نہ کر سکتا، آپ نے دیکھا کہ میں

کس قدر راضی برضا ہوں اور ہر وقت اپنی قسمت پر قانع!!

لیکن افسوس کہ ہماری جماعت سیڑم میں خیر و عافیت کے ساتھ خلیل اللہ خاں

اور رستم راؤ کی فوج میں جا ملی اور کوئی ایسا حادثہ پیش نہ آیا کہ میں اپنی زندگی سے درگذرتا

کسی معمولی واقعہ کی وجہ سے جو مجھے یاد بھی نہیں میں ذرا پیچھے رہ گیا اور میرے ساتھی

لشکر میں پہونچ گئے، جب میں لشکر میں داخل ہوا تو رات زیادہ ہو چکی تھی چاندنی چھٹکی ہوئی تھی،

لشکر کا سارا پڑاؤ مجھے صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا، ایک کھلے اور وسیع میدان میں

چھوٹے چھوٹے متعدد خیمے استادہ تھے جگہ جگہ درخت بھی نظر آ رہے تھے چاروں طرف سناٹا

چھایا ہوا تھا، اور کسی قسم کی کوئی آہٹ سنائی نہیں دیتی تھی۔

اس وقت میرا چٹا بجھ گیا تھا، اسکو سلگانے کیلئے میں ایک خیمہ کے قریب آگ دیکھ کر

تیزی سے بڑھنے لگا، ابھی آگ کے قریب نہیں پہونچا تھا کہ میری نظر میں ایک چمکدار چیز پر پڑیں یہ ہیرے کی ایک انگوٹھی تھی، میں نے اُس کو فوراً اٹھا لیا، اور یہہ خیال کرتے ہوئے اُس کو اپنی انگلی میں پہن لیا کہ کل علی الصبح اس کے متعلق عام طور پر اعلان کر دونگا تاکہ وہ اس کے حقیقی مالک کو مل جائے۔ لیکن بدقسمتی سے میں نے اس کو اپنی چھوٹی انگلی میں پہن لیا، جس کے لئے وہ بہت بڑی تھی۔

جب میں چپٹا سلگانے کے لئے آگ کی طرف تیزی سے بڑھا انگوٹھی انگلی میں سے گر پڑی اب میں نے اس کو ڈھونڈنا شروع کیا۔ وہاں قریب ہی ایک بیل بندھا ہوا تھا، اور چارا کھا رہا تھا، میں نے انگوٹھی کی تلاش میں گھاس کو ہٹایا ہی تھا کہ اُس شریر جانور نے مجھے اس زور سے لات ماری کہ تلملا گیا اور چیخے بغیر نہ رہ سکا۔

— ۶ —

میری آہ وزاری نے قریب کے خیمہ میں سونے والوں کو جگا دیا، ان لوگوں کو بہت غصہ آیا کہ میری چیخوں نے ان کی نیندیں خراب کر دیں۔ انہوں نے اس کی سزا یہہ دی کہ مجھے اسی انگوٹھی کا چور قرار دیا جو ابھی مجھے ملی تھی۔ انگوٹھی تو مجھ سے جبراً اسی وقت چھین لی گئی اور میں دوسرے دن ملزم کی حیثیت سے چالان عدالت کیا گیا۔

قاضی نے حکم دیا کہ مجھے کوڑے لگائے جائیں تاکہ میں ان تمام چیزوں کی چوری کا بھی اقرار کر لوں جو کئی دن سے لشکر میں غائب ہیں حضرات! یہہ سب کچھ صرف میری اس تیزی کی جو میں نے چپٹا سلگانے کی خاطر کی تھی اور اس بیوقوفی کی کہ بڑی انگوٹھی کو

چھوٹی انگلی میں پہن لیا تھا، سزا تھی جس کا بھگتنا بدبخت کمال کے لئے یقینی طور پر ضرور تھا اور سچ تو یہہ ہے کہ اس کے سوا کسی اور سے اس قسم کی حرکات سرزد نہیں ہو سکتیں!

جب میرے زخم اچھے ہوئے اور طبیعت کچھ سنبھلی تو میں ایک حلوائی کی دوکان پر گیا جہاں شربت اور قسم قسم کے لذیذ کھانے فروخت ہوتے تھے اور شکر کے اکثر لوگ اس جگہ اپنی دل بہلائی کے لئے جمع ہوتے تھے، میں چپا بیٹھا تھا کہ اپنے قریب ہی ایک شخص کو یہہ شکایت کرتے ہوئے سنا کہ وہ اب تک اپنی انگوٹھی نہیں حاصل کر سکا حالانکہ اس نے تین دن تک عام طور پر منادی کرادی تھی کہ جو کوئی ڈھونڈ کر لائے گا اس کو دو سو اشرفیاں انعام میں دی جائینگی کیونکہ اس انگوٹھی کا ہیرا بہت قیمتی ہے۔

میں فوراً سمجھ گیا کہ یہہ وہی انگوٹھی ہوگی جو بدقسمتی سے میرے ہاتھ لگ گئی تھی میں نے اس شخص سے اپنا واقعہ بیان کیا اور وعدہ کیا کہ اس کو بتا سکتا ہوں جس نے مجھ سے انگوٹھی جبراً چھین لی تھی، غرض اس شخص کو انگوٹھی مل گئی اور یہہ معلوم کر کے کہ میں نے ایمانداری سے کام لیا اس نے مجھے دو سو اشرفیاں بطور تحفہ کے دیں اور ایک طرح سے گویا اس سخت سزا کی تلافی ہو گئی جو اسی کی انگوٹھی کی خاطر میں بھگت چکا تھا۔

اب آپ خیال کر رہے ہونگے کہ اشرفیوں کی تھیلی میرے لئے بڑی فائدہ مند ثابت ہوئی ہوگی حالانکہ وہ اور زیادہ بدبختیوں کا سبب بن گئی۔

ایک رات جب میں نے دیکھا کہ میرے ڈیرے میں کے تمام سپاہی گہری نیند سو رہے ہیں تو میں اپنے نئے خزانہ کو گننے اور اس سے لطف اندوز ہونے میں مشغول ہو گیا

دوسرے دن میرے ساتھیوں نے مجھے شربت خوری کی دعوت دی اور نہ معلوم میرے پیالہ کے شربت میں کیا ملا دیا کہ مجھ پر بہت جلد نشہ کی حالت طاری ہوگئی اور میں ایک گھڑی بے خودی میں غرق ہو گیا۔ جب ہوشیار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درخت کے نیچے لشکر سے کچھ فاصلہ پر پڑا ہوا ہوں۔

۷

ہوش میں آتے ہی پہلی چیز جس کا مجھے خیال آیا اشرفیوں کی تھیلی تھی۔ چنانچہ تھیلی مجھے کمر بند میں محفوظ ملی لیکن اس کو کھولنے کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ ٹھیکریوں اور سیپیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور ایک بھی اشرفی باقی نہیں۔ میں سمجھ گیا کہ بلاشبہ انہی سپاہیوں نے مجھے لوٹ لیا ہے جن کے ساتھ میں شربت پی رہا تھا اور مجھے یقین ہو گیا کہ ان میں سے چند اُس وقت ضرور ہوشیار ہونگے جب کہ میں اپنی دولت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کیونکہ میں نے اپنی دولتمندی کا راز کسی سے بھی نہیں بیان کیا تھا نیز جب سے میں ان کے ساتھ ہوا ہوں اسی وقت سے انہیں معلوم تھا کہ میں ایک مفلس اور فلاکت زدہ آدمی ہوں۔

اس وقت میں نے حکام مقتدر کے پاس بے فائدہ دادخواہی کی کیونکہ سپاہیوں نے اپنے آپ کو بالکل بے گناہ ثابت کیا میں ان کے خلاف میں کوئی ثبوت نہیں پیش کرسکا اس واقعہ کے بعد سے بعض لوگ میرے ساتھ مذاق اور بعض نفرت کرنے لگے۔ اب میں نے کثرت رنج وغم کے باعث خود کو اس نام سے مخاطب کر کے رونا چلانا شروع کیا

جو حیدر آباد چھوڑ کر سیر طعم آنے تک میری زبان پر نہیں آیا تھا' بد بخت کمال کے نام کو میں نے بے تکلف گالیاں دینی شروع کیں۔

جب یہہ نام اور یہہ قصہ سارے لشکر میں ہوا کی طرح پھیل گیا تو اس کے بعد سے میں اکثر اسی نام سے مخاطب کیا جانے لگا اور بعضوں نے اس مذاق میں تھوڑا سا اضافہ کر دیا کہ مجھے "اشرفیوں والا کمال" کے نام سے پکارنے لگے۔

لیکن اب تک میں نے جو کچھ مصیبتیں اٹھائی تھیں وہ آنے والی بد بختیوں کے مقابلہ میں کچھ نہ تھیں!!

اس وقت قطب شاہی فوج میں چونکہ بعض سپاہی کار آموز اور تجربہ کار نہیں تھے اس لئے ان کو تیر اندازی اور بندوق چلانے کی مشق کا حکم دیا گیا تھا لیکن بعض ناسمجھ سپاہیوں نے اس حکم کی نہایت بیہودگی سے تعمیل کی' وہ جس چیز کو چاہتے آماجگاہ ٹھہرالیتے اور نشانہ بازی ہوتی' اس طریقۂ مشق میں بعض دفعہ جانوں کا بھی نقصان ہو جاتا تھا' مگر کوئی پوچھنے والا نہ تھا کیونکہ فوج کے تمام اعلےٰ افسر اورنگ زیب کی فوج سے ساز باز کرنے اور غداری کے ذریعہ سے سرخرو رہنے کی فکر میں تھے میں نے کئی ایسے خیمے دیکھے جن میں اگرچہ لوگ رہتے تھے لیکن ان جاہلوں کا تختۂ مشق بن کر چھلنی چھلنی ہو گئے تھے اس بدعنوانی کی ایک وجہہ یہہ بھی تھی کہ سپاہی اکثر تاڑی پی کر بدمست رہا کرتے تھے۔ ان میں برے بھلے کی تمیز باقی نہیں رہتی تھی۔ آخر کار ان بدعنوانیوں کی یہاں تک نوبت پہونچی تھی کہ اگر ہوش کے عالم میں بھی کسی کی جان کا نقصان ہو جاتا تو وہ نالایق

صرف یہ کہہ کر انجان بن جاتے کہ

"اس کی قسمت میں اسی طرح اسی وقت مرنا لکھا تھا جس کی آئی وہ جاتا ہے

ہماری ابھی نہیں آئی ہم جیتے ہیں۔"

یہ بیہودگی پہلے پہلے تو مجھے تعجب خیز معلوم ہوئی لیکن جب دیکھتے دیکھتے عادت ہو گئی تو مجھے برا نہیں معلوم ہونے لگا بلکہ اس سے میرا یہ عقیدہ راسخ ہو گیا کہ درحقیقت بعض لوگ اچھی اور بعض بری قسمت کے ساتھ دنیا میں آتے ہیں، میں نے یقین کر لیا کہ یہ امر انسانی طاقت کے باہر ہے کہ وہ اپنی قسمت کو بدل سکے ان خیالات کے ساتھ ہی مجھے ایک اور خیال ہوا یعنی یہ کہ ممکن ہے میں کل ہی مر جاؤں لہذا جب تک جیتا ہوں مجھے خوب گلچھرے اڑانے چاہئیں۔

۸

میں ہر روز زیادہ سے زیادہ مزے اڑانے کے طریقے اختیار کرنے لگا۔ آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ میں اپنے افلاس کے باوجود کیونکر عیش و عشرت میں بسر کر سکتا تھا؟ لیکن مجھے بہت جلد ہی ایک ایسا طریقہ ہاتھ لگ گیا جس کے ذریعہ میں اس کو بھی خرچ کر سکتا تھا جو در اصل میرا نہیں تھا۔

چند کوٹھی ساہوکار ہماری فوج کے ساتھ تھے جو فوجیوں کو دل کھول کر سودی قرض دیا کرتے تھے اور بعد میں جب یہ فوجی لوٹ کھسوٹ کا مال و دولت لے آتے تو یہ ساہوکار دو چند سہ چند سود کی رقم لگا کر اپنا روپیہ حاصل کرتے تھے۔ جو کوٹھی مجھے قرض دینے لگا

جانتا تھا کہ میرا بھائی فیاض الدین ایک نیک نفس اور مالدار تاجر ہے۔ اس لئے اگر میں قرض نہ بھی ادا کر سکوں تو وہ مجھے اب جس قدر بھی قرضہ دیگا میرے بھائی سے آسانی سے وصول کرلے گا۔ غرض جو کچھ میں اس ساہوسے قرض لیتا تھا افیون خوری اور تمباکو نوشی میں جی بھر کر خرچ کر دیتا تھا۔

ان تفریحوں نے مجھے اس قدر سرخوش بنا دیا تھا کہ میں اپنی خطری بدقسمتی کو بالکل بھول گیا۔ چنانچہ آخر زمانہ میں ایک لمحہ کے لئے بھی میرے دماغ میں مستقبل کا خیال نہیں آتا تھا۔

ایک روز جب زیادہ افیون کھا لینے کی وجہ سے میں آپے میں نہیں رہا۔ اور سارے لشکر میں کبھی گاتے ہوئے کبھی ناچتے ہوئے اور کبھی یہہ پکارتے ہوئے کہ اب میں بدبخت کمال نہیں رہا دیوانوں کی طرح اودھم مچا رہا تھا میرا ایک خیر خواہ نہایت خلوص سے میری طرف آیا اور بازو پکڑ کر یہہ کہتے ہوئے مجھے کھینچنے لگا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ فلاں سپاہی تمہاری پگڑی کو نشانہ بنانا چاہتا ہے دیکھو ہٹ جاؤ ورنہ گولی لگیگی۔"

افسوس کہ میری بدقسمتی نے یہاں بھی میرا ساتھ نہ چھوڑا اگرچہ میں اس وقت بھی خیال کر رہا تھا کہ اب میں بدبخت کمال نہیں رہا! میں نے اپنے خیرخواہ کو جی بھر کر گالیاں دیں اور یہہ کہتے ہوئے سامنے سے نکل جانے کیلئے کہا کہ "اب میں بدبخت کمال نہیں رہا ہوں" وہ شخص خطرے کا اندازہ کر کے خود تو بازو ہٹ گیا اور میں ابھی وہیں ناچنے کودنے میں مشغول تھا کہ ایک گولی لگی اور میں زخمی ہو کر گر پڑا۔

۹

ایک اناڑی جراح نے میرے جسم میں سے اس بے دردی کے ساتھ گولی نکالی اور میری تکلیف دگنی ہو گئی، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کو ذرا جلدی تھی کیونکہ لشکر کو تھوڑی ہی دیر پہلے کوچ کا حکم مل گیا تھا اور ساری فوج میں ہل چل مچی ہوئی تھی اس وقت میرا زخم بہت تکلیف دہ تھا اس لئے مجھے اندیشہ ہو رہا تھا کہ کہیں لاعلاج مریضوں کے ساتھ مجھے بھی نہ چھوڑ دیا جائے۔ اگر اس وقت میں گھنٹہ دو گھنٹہ کے لئے آرام لیتا تو ممکن تھا کہ ان تمام پریشانیوں سے بچ جاتا جن کا میں اس کے بعد شکار ہونے والا تھا۔ لیکن جس طرح میں نے بارہا آپ سے کہا ہے میری بدقسمتی نے مجھے کبھی اس قابل نہ ہونے دیا کہ میں اپنی بھلائی کے متعلق کچھ سوچ بچار کر سکوں چنانچہ ہمیشہ وقت گذر جانے کے بعد مجھے پچھتانا پڑا۔

اس روز جب زخم کی تکلیف کے باعث مجھے شدت سے بخار آ گیا تھا اور بستر سے اٹھنے کی اجازت نہیں تھی میں اپنی بے پروا یا راضی برضا رہنے والی طبیعت کے برخلاف کم از کم سو بار اپنے خیمے سے باہر نکلا ہوں گا تاکہ دیکھوں اب تک کتنے خیمے اکھڑ گئے ہیں اور کتنے ابھی باقی ہیں۔

کوچ کے احکام کی بڑی عجلت سے تعمیل کی گئی اور چند ہی گھنٹوں میں سارا لشکر خالی ہو گیا اگر میں اپنے ضمیر کے مشورے پر عمل کرتا تو ضرور اس قابل رہتا کہ فوج کا ساتھ دے سکوں اور زخمیوں کی گاڑی میں پڑ کر فوج کے ساتھ چلا جاؤں۔

لیکن سرِ شام جراح مجھے دیکھنے آیا تو میری حالت اسقدر خستہ تھی کہ حرکت تک کرنا بار تھا جراح نے افسر سے اجازت لے کر چند سپاہیوں کو میرے پاس چھوڑ دیا اور حکم دیا کہ دوسرے دن وہ مجھے لشکر میں لے آئیں۔ ان سپاہیوں نے دوسرے دن مجھے اسی بدخصال بیل پر لاد کر لے جانا چاہا۔ میں اس کی پیٹ پر سفید لکیر کا نشان دیکھکر پہچان گیا کہ یہہ وہی بیل ہے جس نے مجھے اس سے پہلے لشکر میں پریشان کر دیا تھا۔ میں اس پر سوار ہونے کو رضامند نہ تھا۔ اور منت سماجت کی کہ وہ خود اٹھا کر لے چلیں، چنانچہ وہ راضی ہو گئے اور بیچ راہ میں یہہ کہکر کہ "یہاں سے باولی قریب ہے اور ہم چھاگل میں پانی لاتے جا رہے ہیں" سب کے سب چلدئے۔

۱۰

میں منتظر تھا اور امید کر رہا تھا کہ میرے سوکھے ہونٹوں کو ابھی باولی کا تازہ اور ٹھنڈا پانی تر کرے گا لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ نہ تو سپاہی واپس آئے اور نہ پانی ہی نصیب ہوا۔ میں وہاں اپنی آخری گھڑی کا انتظار کرتے ہوئے کئی گھنٹے نزع کی حالت میں پڑا رہا، اور کسی قسم کی سعی و تردد کرنے کی کوشش نہ کی کیونکہ اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میرا وقت آگیا ہے اور تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ اسی حالت میں مر جاؤں اور بغیر کفن دفن کے کتوں کی طرح پڑا رہوں اور سچ تو یہہ ہے کہ بدبخت کمال کو ایسی ہی موت مرنی چاہئیے۔

اس موقع پر میرے منصوبے غلط ثابت ہوئے کیونکہ میں جہاں دم توڑنے والا تھا

اسکے قریب ہی سے مغل فوج کی ایک جماعت کا گذر ہوا اور میری آہ وزاری سن کر کئی سپاہی میری طرف آئے اور مجھے اپنے ساتھ لے لیا۔ انہوں نے میرے زخم دہوئے مرہم پٹی کی اور نہایت مہربانی کا برتاؤ کیا۔

مغل سپاہیوں کی دیکھ بھال اور توجہ کے باعث میں بالکل تندرست ہوگیا لیکن ابھی پوری طرح طاقت بھی نہیں آنے پائی تھی کہ میں نئی آفتوں میں مبتلا ہوگیا یہہ فوج کسی تالاب یا باولی کے قریب ایک روز کے لئے ٹھہرنا چاہتی تھی اور میں چونکہ اسی بدبخت ملک کا باشندہ تھا اس لئے مجھ سے دریافت کیا گیا کہ کیا اس اطراف واکناف میں کسی جگہ صاف ستھرا پانی ملے گا؟ اگرچہ میں ایسے مقام سے واقف نہ تھا لیکن خواہ مخواہ انکی ہمدردی کی خاطر ان سے کہہ دیا کہ میں ابھی پتہ لگا کر آتا ہوں اور جنگل کی طرف چلدیا۔

۱۱

تھوڑی دیر تک مختلف جھاڑیوں میں چکر لگانے کے بعد میں بالکل تھک گیا اور کوئی باولی بھی نہ ملی۔ جب واپس ہوا تو ذرا دیر ہوگئی تھی دیکھا کہ نہ فوج ہے اور نہ کچھ اس کے نشانات، سمجھا کہ راستہ سے بھٹک گیا ہوں چیخا چلایا اور مارا مارا پھرتا رہا لیکن سوائے اس کے کہ اور زیادہ تھک جاتا کچھ حاصل نہ ہوا اب میں پریشان تھا کہ کیا کروں، کس طرف جاؤں اور کس طرف نہ جاؤں، جنگل کی اداسی کاٹ کھانے آرہی تھی، میں بہت دیر سے بھوکا بھی تھا، اب مجھ پر ناامیدی کی سی کیفیت طاری ہونے لگی کپڑے پھاڑنا شروع کیا، سر سے پگڑی اتار پھینکی اور زور زور سے چیخنے چلانے لگا لیکن نہ تو

کسی کی آواز آئی اور نہ کسی نے آواز دی اس اثنا میں یکایک خیال آیا کہ میں نے اپنی پگڑی کی ایک تہہ میں تھوڑی سی افیون رکھی تھی لیکن جب پگڑی زمین پر سے اٹھائی تو دیکھا کہ اس میں سے افیون گر پڑی ہے جس جگہ پگڑی پھینکی تھی وہاں گھنٹہ بھر ڈھونڈتا رہا لیکن بیکار۔

اب میں زمین پر چِتّا لیٹ گیا اور بغیر کسی قسم کی سوچ بچار اور کوشش کے خود کو اپنی بدقسمتی کے سپرد کر دیا اور منتظر تھا کہ ملک الموت تشریف لائیں۔ اس وقت بھوک پیاس اور گرمی نے مجھے جس قدر ستایا اس کا اظہار ناممکن ہے آخر کار مجھ پر غنودگی سی طاری ہو گئی اور اس اثنا میں طرح طرح کے ڈراونے خواب دکھائی دینے لگے۔

مجھے خبر نہیں ہے میں اس حالت میں کب تک پڑا رہا لیکن مجھے یاد ہے کہ میں ایک مہیب آواز کی گونج سے اٹھ بیٹھا جو ایک بڑے گروہ کی سمت سے اٹھی۔ یہہ لوگ حیدرآباد سے تاناشاہ کے کچھ احکام پہونچانے کے لئے لشکر کی طرف جا رہے تھے اور یہہ آواز ان کی خوشی کا نعرہ تھا جو صاف پانی کا ایک چشمہ دیکھ کر انکی زبانوں سے بے تحاشہ نکلا تھا وہ چشمہ مجھ سے بالکل ہی قریب تھا لیکن بدبخت کمال کی قسمت دیکھئے کہ وہ اس سے ناواقف رہا حالانکہ وہ تلاش میں جنگل میں گھنٹوں مارا مارا پھرا تھا۔ اس وقت اگرچہ میں بے حد کمزور ہو گیا تھا لیکن حتی الامکان زور سے آواز دی تاکہ ان لوگوں کو اپنی موجودگی سے مطلع کروں، میں ان کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتا بھی گیا لیکن ناتوانی اس قدر تھی کہ دو چار قدم چلنا بھی دشوار ہو گیا تھا مجھے یقین تھا کہ میری بدقسمتی ہرگز

مجھے ان سے نہ ملنے دیگی۔ آخرکار جب میں نے انہیں گھوڑوں پر سوار ہوکر کوچ کرتے ہوئے
دیکھا تو پگڑی کھول کر ہوا میں ہلانی شروع کی اُن لوگوں نے اس اشارے کو دیکھ لیا
اور میری طرف آئے۔ مجھ میں اس قدر طاقت کہاں تھی کہ ان سے صاف صاف بات
کرسکتا جب ایک غلام نے کچھ پانی پلایا اور میری جان میں جان آئی تو اُن پر ظاہر کیا کہ
میں کون ہوں اور کس طرح اس حال کو پہونچا ہوں۔

جب میں باتیں کر رہا تھا تو ایک شخص نے میری کمر کی اُس تھیلی کو دیکھ لیا جو انگوٹھی
کے مالک نے اشرفیوں سے بھر کر مجھے دی تھی اور جس کو میں نے بہ حفاظت چھپا رکھا تھا۔
کیونکہ اس پر میرے محسن کا نام لکھا ہوا تھا جس وقت مجھے یہ تھیلی دی تھی کہا تھا۔
ممکن ہے کہ ہم پھر کبھی ایک دوسرے سے ملیں تو اس تھیلی کے ذریعہ وہ مجھے پہچان لیگا
وہ شخص جو اس وقت میری تھیلی کو غور سے دیکھ رہا تھا وہ میرے محسن کا بھائی تھا اور
جب میں نے اس سے بیان کیا کہ تھیلی مجھے کس طرح ملی ہے تو وہ مجھ پر مہربان ہو گیا
اور ساتھ لے چلنے کا قصد ظاہر کیا۔

یہ شخص ایک سوداگر تھا جو ان سپاہیوں کے ساتھ سفر کر رہا تھا کہ لٹیروں اور
مغل سپاہیوں سے محفوظ رہے۔ غرض میں وفاداری اور خیر خواہی کا وعدہ کر کے اسکے ساتھ ہو لیا۔

۱۴

جو سوداگر اس وقت میرا مربی تھا میرے حال پر بہت مہربان تھا اور جب اُس نے
میری تمام بدبخت مہموں کا ذکر تفصیل سے سنا تو مجھ سے وعدہ لیا کہ میں آئندہ سے کوئی کام

بغیر اس کے مشورہ کے نہ کروں گا اس نے کہا:۔
"کمال! چونکہ تم اس قدر بدقسمت ہو کہ اپنے لئے جو بھی سوچتے ہو وہ برا ہی ہوتا ہے اس لئے آیندہ سے تمہیں ایک تم سے زیادہ عقلمند اور خوش قسمت دوست کے مشوروں پر چلنا چاہئیے"۔

میں اس سوداگر کی بیعت سے بہت خوش رہا کیونکہ وہ نہایت نیک طینت اور اس قدر دولتمند تھا کہ ہر وقت اپنے ماتحتوں پر فیاضی سے عنایتوں کی بارشیں کرتا تھا میرے تفویض یہہ کام کیا گیا تھا کہ ہر منزل پر اسباب سے لدے ہوئے بیلوں کو گن لیا کروں اور ان کی حفاظت کا خیال رکھوں، میں یہہ کام ہر منزل سے کوچ کرتے وقت نہایت احتیاط سے کرتا رہا لیکن جب گلبرگہ کے قریب آخری منزل کی گئی اور دوسرے دن گلبرگہ میں داخل ہونے کے لئے نکلے تو میں نے خیال کیا کہ بیلوں کو گذشتہ رات گن چکا ہوں اب پھر گننا کیا ضروری ہے؟ لیکن جب سوداگر کی کوٹھی میں پہونچنے کے بعد میں نے گنتی کی تو تین بیل کم نظر آئے، فوراً مالک کو اطلاع کرنے کے لئے دوڑا، اس نے کسی خفگی کا اظہار نہیں کیا۔ حالانکہ میں اس کا مستحق تھا۔ تاہم شہر میں منادی کر دی کہ جو کوئی ان بیلوں کو ڈھونڈ لائے گا انعام پائے گا، چنانچہ ایک غلام ان کو قریب ہی کے جنگل سے پکڑ لایا اور انعام بھی حاصل کیا۔

کوٹھی میں پہونچنے کے بعد سوداگر نے مجھے روئی کے گودام کا نگہبان مقرر کیا اور روئی کے کوٹھے ہی میں سونے کا حکم دیا، ایک رات میں حسب عادت چٹا پیتا پیتا سو گیا

ہاں! آپ کو یہہ معلوم ہونا چاہئیے کہ میں بغیر چینے اور افیون کے زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر میں اسس رات معمول سے زیادہ افیون کھا گیا تھا جس کی وجہہ سے میرے حواس بالکل معطل تھے آدہی رات کے قریب ایک عجیب گھبراہٹ کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔ دیکھا کہ روئی میں آگ لگ گئی ہے میں نے دوڑ کر گھر کے ملازمین کو اٹھایا اور تھوڑی ہی دیر میں ہر طرف شور و غل مچ گیا۔ میرے مالک نے بڑی مستعدی سے کام کیا جس کی وجہہ سے اس کا سارا جسم جھلس گیا۔ اسس دوڑ دھوپ کے باوجود بھی تمام روئی جل گئی۔ اس نقصان کے بعد میرے مربی نے گو مجھ پر کسی قسم کی خفگی کا اظہار نہیں کیا، لیکن پچیس اشرفیوں کی ایک تھیلی میرے ہاتھ میں دے کر مجھے الوداع کہتے ہوئے کہا؟

"کمال! ان اشرفیوں کو ہوشیاری سے استعمال کرو اگر تم ایسا کر سکو تو شاید تمہاری تقدیر بدل جائے"

مجھے اس کی بہت کم امید تھی لیکن میں نے اپنی اس نئی پونجی کو حتی الامکان ہوشیاری سے صرف کرنے کی ٹھانی۔

—— ۱۳ ——

جب گلبرگہ کی بڑی سڑک پر سے یہہ سوچتے ہوئے گذر رہا تھا کہ اس دولت کو کس طرح زیادہ سے زیادہ نفع کے کام میں لگاؤں کہ ایک شخص نے مجھے میرا نام لیکر پکارا اور کہا۔

"آخر تم مل گئے" میں نے غور سے دیکھ کر پہچان لیا اور یہہ خیال کر کے بڑا رنجیدہ ہوا کہ

یہہ وہی کوٹھی ہے جس سے میں نے بیڑم میں قرض لیا تھا۔ اس کو گلبرگہ میں جو چیز کھینچ لائی وہ سوائے میری قسمت کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ وہ اب مجھے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا اور نہ کوئی حیلہ حوالہ سننے کو تیار تھا۔ اس نے کہا کہ مجھے تمہارے تمام حالات معلوم ہیں کہ تم کس طرح پہلے تو قطب شاہی لشکر سے نکل بھاگے اور پھر مغلوں کی فوج کو دھوکہ دیا اور نیز یہہ بھی کہدیا کہ میرے بھائی فیاض الدین سے بہت کم امید ہے کہ وہ قرضہ ادا کریگا

مجھے اس کوٹھی کی اس حقارت آمیز گفتگو سے بہت غصہ آگیا میں نے کہا کہ "میں فقیر نہیں ہوں۔ میں تمہارے قرضہ کو ابھی ادا کر دیتا ہوں" لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ وہ ضرور سود کی رقم بڑھا چڑھا کر بیان کریگا، اس نے مسکراتے ہوے کہا "دیکھو میں نے کیسے بُرے وقت میں تمہاری مدد کی اور تمہیں تمہاری عزیز ترین چیز یعنے افیون کے لئے اخراجات دیتا رہا اس لئے اب تمہیں چاہئے کہ میری عنایتوں کا خوشی خوشی بدلہ کرو اور کسی قسم کے شکوے شکایت کا موقع نہ دو"

میں آپ کو وہ تمام گفتگو سنا کر منغض نہیں کرنا چاہتا جو مجھ میں اور اس بدمعاش کوٹھی میں ہوئی اس نے مجھ سے پورا قرضہ وصول کر لیا اور جاتے جاتے ایک نئی آفت میں مجھے مبتلا کر گیا، اس کے پاس پرانے کپڑوں کا ایک صندوق تھا جس کے متعلق اس نے مجھ سے کہا کہ۔

"میں یہہ کپڑے گلبرگہ میں اس لئے لایا ہوں کہ یہاں کے غریب غربا اور اونی طبقے کے ملازمین میں اسکی بہت مانگ ہی اور یہہ سب یہاں ہاتھوں ہاتھ خرید لئے جائینگے۔

چونکہ مجھے بہت جلد حیدرآباد پہونچنا ہے اس لئے میں خود یہاں ٹھہر کر اُن کو فروخت نہیں کرسکتا چاہتا ہوں کہ کسی کو اصلی قیمت پر بیچدوں تم ہی کیوں نہیں سودا کر لیتے؟"
مجھے کومٹی کی دوستی اور خیر خواہی پر ہرگز یقین نہ آتا لیکن جب میں اس کے ساتھ سرائے میں گیا اور اس نے اپنے نوکر کے ساتھ مجھے ایک کمرے میں روانہ کرکے صندوق میں کے کپڑے دکھلائے تو یہہ دیکھ کر کہ کپڑے واقعی اچھے اور قیمتی ہیں میں اس کی باتوں کو مان گیا کچھ حیص و بیص کے بعد معاملہ طے ہوگیا اور کومٹی نے مزدوروں کے سر پر دے کر صندوق میرے ساتھ کر دیا۔

— ۱۴ —

میں دوسرے دن صبح صبح صندوق لے کر بازار پہونچا' لوگوں کو جب میرے بیوپار کی نوعیت معلوم ہوئی تو گاہکوں کی بھیڑ ہو گئی اور شام ہونے سے پہلے میرا صندوق بالکل خالی ہوگیا' اس بیوپار میں مجھے بیحد منافع ہوا کومٹی کی حماقت پر میں دیر تک ہنستا رہا اس احمق نے ایک دن کے لئے اپنا اتنا بڑا نقصان کر لیا۔
کچھ دنوں کے بعد میں ایک تاجر سے سڑک پر کھڑا باتیں کر رہا تھا کہ اس نے اثنائے گفتگو میں بڑے رنج سے کہا کہ میرے پاس سے خریدے ہوئے کپڑے پہننے کے بعد سے اس کے دو ملازم سخت بیمار ہیں۔ اس کی اس بات پر مجھے ہنسی آگئی میں نے کہا "بھلا کپڑوں کی وجہہ سے بھی کوئی بیمار ہوتا ہے؟"
اس گفتگو کے بعد ابھی میں بازار میں تھوڑی ہی دور چلنے پایا تھا کہ دس بارہ

سوداگروں نے سخت سست کہتے ہوئے شکایتیں شروع کیں اور مجبور کیا کہ میں انہیں بتاؤں کہ میں نے کپڑے کہاں سے حاصل کئے نیز یہہ کہ کیا میں نے بھی ان میں سے کچھ کپڑے استعمال کئے ہیں۔

میں نے ان کپڑوں میں سے ایک اچھا شملہ اپنے لئے اٹھا رکھا تھا چنانچہ اس روز اتفاق سے میرے سر پر وہی شملہ تھا اس شملہ کو دکھا کر میں نے اُن سے کہا کہ "دیکھئے میں بھی تو انہی میں کا ایک کپڑا استعمال کر رہا ہوں اور اب تک مجھے کچھ بھی نہیں ہوا" غرض ایک طولانی بحث مباحثہ کے بعد سوداگر خاموش ہو گئے لیکن میرے خوف کی انتہا نہ رہی جب دوسرے ہی دن میں نے ایک شخص کو یہہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ تمام لوگ جو مجھ سے خریدے ہوئے کپڑے استعمال کر رہے تھے وبا میں مبتلا ہو رہے ہیں یہہ سنتے ہی مجھے فوراً خیال آگیا کہ یہہ کپڑے انہی بیماروں کے ہونگے جو قطب شاہی فوج میں وبا میں مبتلا ہو کر مرے تھے کیونکہ کوٹھی اسی قطب شاہی فوج کے ساتھ تھا جس میں وبا کثرت سے پھیل گئی تھی اور دوسرے یہہ کہ کپڑوں سے صاف طور پر ظاہر ہوتا تھا کہ یہہ قطب شاہی فوج کے ہیں۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ کیوں اس بدمعاش کوٹھی نے مجھے اس قدر کم قیمت پر کپڑے فروخت کر دئے اور خود گلبرگہ سے فرار ہو گیا۔ میں نے یہہ واقعہ تمام سوداگروں سے بیان کیا اور انہیں بھی اس کا یقین ہو گیا افسوس کہ اگر میں پہلے ہی ذرا غور کرتا تو پوری حقیقت سے واقف ہو جاتا مجھے معلوم ہوا کہ میں نے تمام گلبرگہ میں وبا پھیلا دی ہے۔ میرے اوسان خطا ہو گئے

اسی دن میں بھی وبا میں مبتلا ہو گیا، اور مرض کی شدت سے بیہوشی طاری ہو گئی۔

۱۵

جب ہوش و حواس درست ہوئے تو اپنے گھر میں نہ تھا۔ ایک بوسیدہ کمرے میں لیٹا ہوا تھا اور مجھ سے کچھ دور ایک بڑھیا بیٹھی تھی مجھے ہوشیار دیکھتے ہی اس نے کہا کہ "تم سوداگروں کی شکایت پر گلبرگہ سے نکال دیے گئے ہو، تمہارا صندوق اور سامان جلا دیا گیا اور اگر میں نہ ہوتی تو تم اس وقت زندہ نہ ہوتے، لیکن چونکہ میں نے ایک منت مانی تھی کہ کسی کے آڑے وقت میں کام آؤنگی اس لئے تمہیں اپنے گھر میں لے آئی۔ یہ دیکھو تمہاری روپیوں کی تھیلی بھی موجود ہے جس کو میں نے بلوہ میں بڑی حفاظت سے چھپا لیا تھا، اس میں سے حاکموں کو بھی دے دلا کر تمہیں زندہ چھڑا لائی ہوں، میں نے اس قسم کی منت کیوں مانی تھی لو وہ قصہ بھی تمہیں سناتی ہوں"......

میں سمجھ گیا کہ یہ ہمدرد بڑھیا باتونی ہے، میں نے سر کو حرکت دیکر اپنی احسانمندی کا اظہار کیا اور پھر یہ بھی نہ پرواہ کی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے، تاہم جو کچھ سنا وہ آپ سے بیان کرتا مگر میرا ہی قصہ کیا کم ہے جو دوسروں کے حالات سنا کر آپ کا وقت ضائع کروں،

اس زمانے میں گرمی زیادہ ہونے لگی تھی چند ہی دنوں میں شہر کی بیماری کم ہونی شروع ہوئی میں اب بالکل تندرست ہو گیا تھا بیماری کے اخراجات کے بعد میرے پاس چند ہی روپیہ باقی تھے، میں نے اس میں سے آدھی رقم اپنے مہربان تیماردار کی خدمت میں پیش کی اور اس بڑھیا کو شہر کی حالت دریافت کرنے کیلئے روانہ کیا، بڑھیا نے واپس آکر کہا کہ

"لوگ کہتے ہیں بیماری میں شدت تو باقی نہیں رہی لیکن میں نے کئی مُردے
گھروں سے نکلتے ہوئے دیکھے' بازاروں میں سب لوگ تم کو گالیاں دے رہے ہیں
کہ تمہیں نے شہر میں وبا پھیلائی۔"

میں نے اپنا بستر اور کپڑے جلا دیئے اور بھیس بدل کر شہر میں داخل ہوا مجھے یقین
تھا کہ اگر شہر کے باشندے مجھے پہچان لیں تو اب کی دفعہ وہ مجھے ہرگز زندہ نہ چھوڑینگے'
میں مسافر خانہ میں ٹھیرا اور رہ کر نمازیں بہ انکسار تمام سر رگڑ رگڑ کر وبا کے بیماروں کے لئے
شافی مطلق سے دعائیں کرتا رہا' مجھے اب گلبرگہ میں رہنا خطرناک معلوم ہو رہا تھا اور یہہ
خیال بھی رہ رہ کے ستا رہا تھا کہ حیدرآباد سے نکلنے کے بعد سے اب تک میں جن بدبختیوں
میں مبتلا رہا وہ سب صرف اس امر کا نتیجہ تھیں کہ میں اس نقش طلسم سے بے پرواہ رہا
جو میرے چینی کے برتن پر لکھا ہوا تھا' میں نے خود بیماری کی حالت میں کئی دفعہ خواب میں دیکھا
کہ ایک بزرگ مجھ سے دریافت کر رہے ہیں کہ

"کمال وہ برتن کہاں ہے جو تجھے دیا گیا تھا؟"

۱۶

میں خیر و عافیت سے حیدرآباد پہونچ گیا اور جب یہہ خیال آیا کہ راستہ میں مجھے
کسی طرح کا کوئی حادثہ پیش نہ آیا میرے تعجب کی انتہا نہ تھی۔ حیدرآباد پہونچتے ہی میں نے
سیدھا اپنے بھائی کے گھر کی راہ لی تاکہ اپنے برتن کے متعلق دریافت کروں جب میں نے
اس کو وہاں نہ پایا تو خیال ہوا کہ شاید وہ مر چکا ہے لیکن ایک فقیر نے مجھے تعجب سے دیکھ کر کہا کہ

بھلا حیدرآباد میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو خوش قسمت فیاض الدین سے واقف نہ ہو، میرے ساتھ چلو میں ان کا محل بتاتا ہوں"۔

جس محل میں وہ فقیر مجھے لے گیا اس قدر عالیشان تھا کہ اس میں داخل ہونے کیلئے میں پس و پیش کرنے لگا ایسا نہ ہو کہ کسی اور تازہ بلا میں گرفتار ہو جاؤں میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور بھائی فیاض الدین کی آواز سنائی دی، ابھی میری نظر اس پر پڑھنے بھی نہ پائی تھی کہ اس نے مجھے دیکھ لیا اور معانقہ کے لئے پیش قدمی کی فیاض الدین اب بھی وہی مہربان بھائی تھا، میں اُس کی دولت و ثروت کو جی ہی جی میں دیکھ کر خوش ہوا اور کہا کہ

"بھائی فیاض الدین کیا تم اب بھی شبہہ کرتے ہو کہ بعض لوگ خوش قسمت اور بعض بدقسمت پیدا کئے جاتے ہیں؟ میں نے تم سے کتنی مرتبہ کہا"۔

اس نے جواب دیا "بھائی اندر آؤ" پہلے سفر کی تکان تو اتر جائے پھر اطمینان سے اس مسئلہ پر بحث کرینگے" لیکن میں نے کہا کہ

نہیں میرے ہمدرد بھائی! تم مجھ پر حد سے زیادہ مہربان ہو۔ بدبخت کمال کو تمہارے مکان میں داخل نہیں ہونا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنی بدبختیوں کا اثر تم اور تمہارے گھر والوں پر بھی ڈالدے میں صرف اپنے برتن کے متعلق دریافت کرنے آیا ہوں"

اس نے کہا "وہ محفوظ ہے تم ابھی دیکھ لوگے لیکن میں اسے تمہیں اس وقت تک نہ دونگا جب تک کہ تم میرے گھر میں نہ آؤگے میں ایسا وہمی نہیں ہوں میرا نہ ماننا میں صاف صاف کہنے کا عادی ہوں"۔

۱۷

مجھے مجبوراً بھائی کی بات ماننی پڑی، اس کے مکان میں داخل ہونے کے بعد میں ہر چیز کو دیکھ کر حیران رہ جاتا تھا، میرا بھائی اس قدر مال و دولت پر بھی مغرور نہ ہوا تھا۔ اس کے برخلاف وہ مجھے اپنی بدقسمتیوں کا خیال چھوڑ دینے پر مجبور کر رہا تھا،

اس نے میرے تمام واقعات بڑی ہمدردی سے سنے، اور اپنا قصہ بھی جو میرے قصہ سے کچھ کم تعجب خیز نہ تھا بڑے شوق سے سنایا وہ کہتا تھا کہ اس کی سعی و دانائی نے اس کو معمولی حالت سے ہی مالدار اور خوش قسمت بنا دیا، میں نے ان خیالات کو اسی کی حد تک محدود رکھا اور یہ کہتے ہوئے زیادہ بحث سے انکار کر دیا کہ "بھائی تمہیں اپنے خیالات پر قائم رہنا چاہیے اور مجھے اپنے اعتقاد پر، تم خوش قسمت فیاض الدین ہو میں بدبخت کمال، اور اسی طرح ہم تم مرتے دم تک رہینگے۔"

میں بھائی کے یہاں چار دن بھی نہ رہنے پایا تھا کہ ایک زبردست حادثہ پیش آیا جس نے میرے اعتقاد کو اور بھی راسخ کر دیا؛

کامنی بائی جس نے میرے بھائی کو اس کا چینی کا برتن خرید کر مالدار بنا دیا تھا اگرچہ مرورِ زمانہ کی باعث اس قدر باثر نہیں رہی تھی۔ نیز گولکنڈہ کی تباہی کے بعد سے تو اس کی شان و شوکت مٹی میں مل چکی تھی تاہم اس کی نازک مزاجی اور نفاست پسندی اب بھی باقی تھی، اورنگ زیب بادشاہ نے بھی اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے اور صرف اس قدر حکم دیا ہے کہ آئندہ سے وہ رقص و سرود کی محفلوں کی شرکت ترک کر دے

اس نے اپنے محل کے لئے میرے بھائی کے ذریعہ سے ملک فرنگ سے ایک بڑا آئینہ منگوایا تھا جو بڑی دقتوں کے بعد تین دن پیشتر میرے بھائی کے مکان تک پہونچا تھا اس وقت فیاض الدین نے کامنی بائی کے پاس کہلا بھیجا کہ وہ آئینہ آگیا ہے لیکن چونکہ رات ہو گئی تھی اس لئے کامنی بائی نے کہلا بھیجا کہ آج رات اس کو وہیں رہنے دو کل صبح منگا لیا جائیگا بھائی نے آئینہ کو صاف کر کے اسی کمرے کے محراب میں رکھا جس میں میں سویا کرتا تھا، اس کے قریب چینی کے برتنوں کے بہت سے نئے آئے ہوئے صندوق بھی رکھدے گئے تھے تاکہ آئینہ اُن کے درمیان محفوظ رہے۔

آج رات میرے بھائی نے اپنے ملازموں سے خاص طور پر ہوشیار رہنے کے لئے کہا کیونکہ اس زمانے میں ہمارے محلہ میں چوریاں ہو رہی تھیں نیز اُس روز فیاض الدین کے پاس آئینہ وغیرہ کی قیمت کے ہزاروں روپیہ آئے ہوئے تھے یہہ سنکر میں نے بھی حفاظت سے سونے کا ارادہ کر لیا، اپنے پاز تکیہ کے نیچے ایک تلوار رکھ لی اور دروازہ آدھا کھلا رکھا تاکہ اگر برآمدے میں یا سیڑھیوں پر ذرا سی بھی آہٹ ہو تو میں اُس کو سن سکوں۔

۱۸

آدھی رات کے قریب برآمدے میں کسی کے آنے کی آہٹ سے میری آنکھ یکایک کھل گئی میں فوراً اٹھ کھڑا ہوا تلوار اٹھائی دروازے کے قریب پہونچا ہی تھا کہ آئینے میں میرے عکس کی وجہہ سے میں نے اپنی داہنی جانب ایک آدمی تلوار ہاتھ میں لئے کھڑا ہوا دیکھا اور تیزی سے "کون ہے" کہتا ہوا اسکی طرف بڑھا مجھے جواب تو نہیں ملا لیکن یہہ دیکھکر کہ

ہ اب مجھ پر تلوار اٹھا رہا ہے، میں نے اپنی تلوار کا اس زور سے وار کیا کہ گویا وہ شخص اب بالکل نہیں بچ سکتا، مجھے ایک کرخت آواز سنائی دی اور اس آئینہ کے ٹکڑے جس کو میں نے ابھی توڑا تھا میرے سارے جسم خصوصاً پاؤں پر بڑے زور سے آپڑے اور اسی وقت ایک کالی سی چیز میرے کاندھے کے قریب سے گذری میں نے اس کا پیچھا کیا اور ابھی سامان کے نئے صندوق پر سے کود کر برآمدے کے سرے پر پہونچنے ہی پایا تھا کہ نشیب کی طرف دھڑام سے گر پڑا اور پانی میں غوطے کھانے لگا۔

۱۹

اس اچانک آواز کے ساتھ ہی میرا بھائی شمع لئے ہوئے اپنے کمرے سے باہر آیا جب اس نے آئینے کو ٹوٹا ہوا اور مجھے حوض میں غوطے کھاتا ہوا دیکھا تو اسکی زبان سے بے اختیار نکلا۔

"واقعی بھائی! تم بڑے بدبخت ہو!!"

لیکن فوراً ہی اس کا غصہ تھم گیا اور اس نے بڑی ہمدردی کے ساتھ حوض کے قریب آکر اپنا ہاتھ بڑھایا اور مجھے باہر نکالتے ہوئے کہا۔

"بھائی معاف کرو، مجھے کچھ غصہ آگیا تھا، میں جانتا ہوں کہ تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہونچانا چاہتے تھے خیر برا نہ ماننا آئینہ کیسے ٹوٹا، کیا بات ہے، اور تم حوض میں کس طرح گر پڑے؟"

ابھی میں فیاض الدین سے واقعات بیان ہی کر رہا تھا کہ اس قسم کی آواز جس نے مجھے نیند میں ڈرا دیا تھا پھر سنائی دی، پلٹ کے دیکھتے ہی صرف وہ کبوتر نظر آیا جسکو میں کل ہی اپنے بھتیجے کے لئے بازار سے خرید کر لایا تھا، میں اس کبوتر کو گھریلو بنانے کیلئے سدا رہا تھا

مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ اتنے بڑے نقصان کا باعث ہوگا، میرے بھائی نے اگرچہ اپنی پریشانی کو مجھ پر ظاہر نہ ہونے دیا لیکن کاہنی کی ناراضی اور غصہ کے خیال نے اسے نہایت ہی خوف زدہ کر دیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اب میرا اس گھر میں رہنا سخت تباہی کا باعث ہے۔ نیز یہ کہ اس وقت وہ مجھے اپنے گھر میں رہنے کے لئے مجبور بھی نہ کرے گا اسلئے رخصت ہونے لگا۔

جب میرے فیاض بھائی نے دیکھا کہ میں نے روانگی کا مستقل ارادہ کر لیا ہے تو کہا کہ "ایک شخص جس کو میں نے اپنی دوسری دوکان کی نگہداشت کے لئے رکھا تھا چند روز ہوئے چلا گیا ہے کیا اب تم اس کی جگہ کام کروگے؟ بھائی! میں اتنا مالدار ضرور ہوں کہ اگر تم تجارتی ناواقفیت کی بنا پر میرا نقصان بھی کر دوگے تو مجھے کچھ فکر نہ ہوگی اس کے علاوہ میں تمہارے ساتھ اور ایک شخص کو دیتا ہوں جو موقع بموقع تمہاری مدد کیا کرے گا"

میں اس مہربانی اور خصوصاً ایسے وقت کی مہربانی سے بہت متاثر ہوا غرض میرے بھائی نے میرے ساتھ اپنے ایک ملازم کو اس دوکان پہنچایا جس میں اس وقت آپ مجھے دیکھ رہے ہیں! اس ملازم نے میرے بھائی کے کہنے پر میرا چینی کا برتن بڑی حفاظت سے مجھے لا دیا اور فیاض الدین کا یہ پیغام بھی پہونچایا کہ "اس میں اور اس کے ساتھ کے برتن میں جو قرمزی رنگ کا سفوف تھا وہی میرے تمول کا باعث ہوا اس لئے میں انصافاً تم کو بھی اپنا شریک سمجھتا ہوں"

—— ۳۰ ——

میں اس وقت ہر طرح مزے میں تھا تاہم سوچ رہا تھا کہ آئینہ کا ٹوٹ جانا ضرور

اب میرے بھائی کو تباہ کردیگا' کامنی بائی بڑی غصیلی اور نازک طبیعت ہے یہہ نقصان اس کو ضرور بھڑکا دیگا اور معلوم نہیں اب میرے بھائی پر کیا تباہی لاتی ہے' میں اسی پریشانی میں تھا کہ آج شام کو میرے بھائی نے کہلا بھیجا کہ کامنی بائی بے حد غصہ میں ہے لیکن یہہ اب تمہارے ہاتھ میں ہے کہ نہ صرف اس کے غصہ کو فرو کردو بلکہ اسے خوش بھی کردو"

میں نے حیران ہوکر دریافت کیا کہ میرے ہاتھ میں!! اس سے بڑھکر خوشی کی بات اور کیا ہوسکتی ہے بھائی سے کہو کہ اس دنیا میں میرے پاس شاید ہی ایسی کوئی چیز ہو جس کو قربان کرکے میں اپنی احسانمندی کا اظہار کرسکتا ہوں اور یہہ کہ میری بیوقوفی نے اس کو جس پریشانی میں مبتلا کیا ہے اس سے اس کو نجات دینا میرا عین فرض ہے"

جس غلام کو میرے بھائی نے روانہ کیا تھا اس نے کہا کہ "جو چیز آپ سے طلب کی جارہی ہے اس کا نام لینے میں اس لئے پس وپیش کررہا ہوں کہ آپ کے بھائی کو خوف ہے کہ مبادا آپ اس کی خواہش کو رد کردیں" میں نے اسے مجبور کیا کہ وہ آزادی سے میرے بھائی کی خواہش بیان کرے اس نے کہا "کامنی بائی کی ناراضی کو سوائے آپ کے پاس کے چینی کے برتن کے کوئی چیز دور نہیں کرسکتی"

میرے پاس انکار کی گنجایش ہی نہ تھی' بھائی کی مہربانیوں کا خیال میرے وہمی اعتقاد پر غالب آگیا چنانچہ میں نے کہلا بھیجا کہ "ابھی برتن لاتا ہوں"

میں نے برتن کو الماری میں سے نکالا' اور چونکہ وہ گرد آلود ہوگیا تھا اس لئے اس کو دھونا شروع کیا جب میں نے اس کے اندرونی حصہ کو جس میں کچھ میل سا لگا ہوا تھا

صاف کرنے کے لئے گرم پانی ڈالا تو ایک آواز سنائی دی اور برتن بڑی زور کے ساتھ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اب جو کچھ میرے پاس ہے وہ بھی ٹکڑے ہیں۔ اتنے میں آپ لوگ آگئے میرے بدقسمتی حد سے گذر گئی ہے۔

کیا اب بھی آپ مجھے اپنی بدقسمتی پر روتا ہوا دیکھکر تعجب کر سکتے ہیں کیا میں واقعی بدبخت کمال نہیں ہوں، آج میری دنیا کی تمام امیدیں ختم ہو گئیں، اچھا ہوتا کہ میں مغلوں کی فوج کے ساتھ لڑتا ہوا مارا جاتا اور اس سے بھی زیادہ اچھا یہہ ہوتا کہ میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا، جو کام بھی میں نے کیا یا کرنے کی کوشش کی وہ کبھی سرسبز نہ ہوا، میرا نام بدبخت کمال ہے اور بدبختی نے مجھے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے۔

۳۱

کمال کی آہ وزاری کو فیاض الدین کی آمد نے موقوف کیا، بہت دیر تک بیکار انتظار کرنے کے بعد وہ یہہ معلوم کرنے کے لئے خود آگیا کہ کہیں کمال پر کوئی نئی مصیبت تو نہیں نازل ہوئی فیاض الدین ان سوداگروں کو دیکھہ کر متعجب ہو گیا اور ٹوٹے ہوئے برتنوں پر نظر ڈالتے ہوئے کچھ پریشان سے چلے گئے۔ لیکن چونکہ دل والا اور نیک مزاج تھا کمال کو تسلی دینی شروع کی۔ برتن کے ٹکڑوں کو اٹھا کر غور سے دیکھا اور یکے بعد دیگرے جانا شروع کیا جب اُس کو معلوم ہوا کہ ان کے کنارے بالکل اچھے ہیں تو کہا۔

"فکر کی بات نہیں میں ان کو اس طرح جوڑ دونگا کہ برتن صحیح وسالم دکھائی دینے لگے گا"، یہہ سُن کر کمال کی جان میں جان آگئی، اس نے کہا "بھائی جب میں دیکھتا ہوں کہ

تم خوش قسمت فیاض الدین ہو تو مجھے اپنے بدبخت کمال ہونے پر کوئی تاسف نہیں ہوتا"

اور سوداگروں سے اس طرح مخاطب ہوا۔

"دیکھئے یہہ شخص دنیا میں سب سے زیادہ خوش قسمت آدمی ہے، یہہ جہاں چند لمحوں کے لئے نکل آتا ہے بُرے سے بُرے حالات کو عمدگی میں منتقل کر دیتا ہے اسکی آمد مسرت و اطمنان کی روح پھونک دیتی ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے چہرے جو میری رنجیدہ کہانی کے باعث پژمردہ ہوگئے تھے اس کے آتے ہی پھول کی طرح شگفتہ ہوگئے۔

بھائی میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی سرگذشت بیان کرکے اس تمام کلفت کی تلافی کرو جو میری بدبختیوں کی داستان سنتے سنتے ان کی طبیعتوں میں پیدا ہوگئی ہے مجھے امید ہے کہ تمہارے حالات ان کے لئے نہایت مسرت بخش اور فائدہ مند بھی ہوں گے"

فیاض الدین نے کہا کہ "میں اپنے واقعات تو خوشی سے سناؤں لیکن شرط یہہ ہے کہ یہہ دونوں صاحب میرے گھر چلیں اور میرے ساتھ کھانے میں شریک رہیں" ان دونوں نے پہلے تو دیر ہی تخت کے گھر جلد پہونچنے کی مجبوری کا عذر کیا لیکن آخر کار ان کے تجسّس اور کمال کے اصرار نے انہیں خوش قسمت فیاض الدین کے ساتھ جانے پر آمادہ کر دیا۔ فیاض الدین نے کھانے کے بعد اپنا قصہ یوں شروع کیا:۔

۲۲

میرا خوش قسمت فیاض الدین پکارا جانا پہلے پہل مجھ میں ایک قسم کی بے پرواہی پیدا کر دینے کا باعث ہوا، میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ میرے بچپن میں کوئی ایسا

غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا جس کی بنا پر میں اپنے کو خوش قسمت سمجھ سکتا میری
ایک بوڑھی انا تھی جو دن میں کم از کم پچیس بار تو بھی اس قسم کے جملے ضرور دہرایا کرتی تھی کہ
چونکہ میں خوش قسمت فیاض الدین ہوں اس لئے جو بھی کام کروں گا اس میں کامیاب
رہوں گا یہہ جملے سنتے سنتے میں مغرور اور شریر بنتا گیا اور اگر پندرہ سال کی عمر میں مجھے
ایک زبردست ٹھوکر نہ لگتی تو میری انا کی پیشین گوئیاں ہرگز پوری نہ ہو سکتیں۔

اِن دنوں شہر میں ایک فرنگی آیا ہوا تھا' بادشاہ اور امیر امرا اس کی بڑی
قدر و منزلت کرتے تھے' ایک روز بادشاہ کی سالگرہ کے دن اس نے آتش بازی کے
عجیب عجیب تماشے دکھلائے' میں بھی شہر کے ہزاروں آدمیوں کے ساتھ تماشہ دیکھنے
کے لئے پہونچا' مجھے اتفاق سے فرنگی کے قریب ہی جگہ مل گئی لوگ اس کو بالکل
گھیرے ہوئے تھے۔ اس نے بڑی منت سماجت سے کہا کہ آپ لوگ کم از کم اپنی جانوں
کی خاطر اس آتش بازی کے سامان سے ذرا دور رہیں ورنہ شدید نقصان پہونچیگا
میں نے کوئی پرواہ نہ کی نتیجہ یہہ ہوا کہ ایک پھلجھڑی کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ وہ ایکدم
چھوٹ گئی اور اس کے ساتھ ہی کئی چیزیں پھوٹ پڑیں میں اچھلکر دور جا گرا میرے
جسم کا بہت سا حصہ جل گیا تھا۔

اس واقعہ کو میں اپنی بڑی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کیونکہ اس نے میری طبیعت
کے لاابالی پن اور بیجا غرور کی خوب سزا دی' میرے فرش رہنے کے اثنا میں وہ فرنگی کئی دفعہ
مجھے دیکھنے کے لئے آیا' وہ بڑا سمجھدار آدمی تھا اسکی گفتگو نے میرے خیالات میں وسعت پیدا کی

میرے کئی توہمات کو دور کر دیا اور خصوصاً اِس خبط کو تو اس نے میرے دماغ سے بالکل نکال دیا کہ میں سرے سے خوش قسمت ہی ہوں اس نے کہا "گو تم خوش قسمت فیاض الدین پکارے جاتے ہو لیکن دیکھو سمجھ سے کام نہ لینے کی بنا پر عین جوانی ہی میں مر گئے ہوتے اُس وقت تمہاری خوش قسمتی کہاں گئی تھی، میری نصیحت مانو اور ہمیشہ سمجھ اور ہوشیاری سے کام لیا کرو، صرف قسمت پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھے رہو، ساری دنیا بھی اگر تمہیں خوش قسمت فیاض الدین کہے تو کہنے دو، لیکن تم خود کو عقلمند فیاض الدین بنانے کی کوشش کرو۔"

———۲۳———

اِن الفاظ نے میرے دماغ پر ایک انمٹ اثر کیا، میری سیرت اور خیالات میں انقلاب پیدا ہو گیا، بھائی کمال نے آپ سے کہا ہی ہو گا کہ قسمت کے متعلق ہماری رایوں کے اختلاف نے ہمیں کتنی دفعہ لڑا دیا ہے، لیکن آپ یقین جانئے کہ ہم کبھی ایک دوسرے کو تشفی نہ دے سکے ہم میں سے ہر ایک نے اپنے مخصوص ذاتی عقائد پر عمل کیا اور انہی کی بناء پر ایک نے عشرت حاصل کی اور دوسرے نے عُسرت۔

میری پہلی خوش قسمتی، غالباً آپ نے کمال سے سنا ہو گا، اس خرمزی رنگ کے باعث تھی، جس کو میں نے بر وقت تمام تیار کیا تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ سفوف تو چینی کے برتنوں میں سے یکایک دریافت ہوا لیکن اگر اس کو کام میں لانے کے لئے میں محنتیں نہ کرتا تو آج تک وہ اسی حالت میں پڑا رہتا۔

واقعہ یہہ ہے کہ اگرچہ تمام انسان دنیا کی چیزوں کو ایک ساتھ دیکھتے ہیں اور زمانہ کی نیرنگیاں سب کی نظر سے گذرتی ہیں۔ لیکن اپنی ذاتی قوت سے کام لے کر ان اشیاء اور حالات کو اپنے مفید مطلب بناتے ہیں سب ایک نہیں ہیں حالانکہ اسی پر اُن میں سے ہر ایک کی قسمت کا دارومدار ہوتا ہے، آپ میرے خیالات کے بہ نسبت میرے واقعات سننے کے زیادہ مشتاق ہونگے لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ میرے حالات اس قدر تعجب خیز نہیں ہیں کہ انہیں خاص طور پر بیان کیا جائے۔ میں شروع سے آخر تک حیدرآباد ہی کا باشندہ رہا اور اپنی زندگی بالکل سکون کے ساتھ اور یکساں حالت میں گذاردی۔

چینی کے برتن کے ذریعہ سے جو دولت میرے ہاتھ لگی اس نے مجھے اعلیٰ پیمانہ پر تجارت کرنے کے قابل بنادیا، چنانچہ میں نے مستعدی سے اپنا کاروبار جاری کیا اور ساری توجہہ اس امر میں صرف کرنی شروع کی کہ گاہکوں کو ہر متعلقہ طریقہ سے خوش رکھوں محنت اور سلیقہ نے مجھے توقع سے زیادہ کامیاب بنایا، اور چند ہی سال میں اپنی تجارت کی وجہہ سے میں ایک مالدار آدمی بن گیا۔

میں اپنی زندگی کے ہر معمولی واقعہ کو بیان کرکے آپ حضرات کو زحمت دینا نہیں چاہتا اس وقت صرف وہ کام بیان کرنا چاہتا ہوں جنکے سبب سے میری زندگی نے ایک زبردست پلٹا کھایا

―――――(۲۴)―――――

ایک دفعہ مادنا دیوان کے محل کے قریب آگ لگ گئی.......... آپ لوگ جبنی معلوم ہوتے ہیں اور اس بات سے واقف نہیں ہیں لیکن یہہ وہ واقعہ ہے کہ اس سے

تمام حیدرآباد میں کھلبلی مچ گئی تھی بعض امرا کے مکانات تو بالکل جل گئے تھے اِس آگ کے متعلق شہر میں مختلف خیالات مشہور ہوئے ۔ ایک مہینہ تک کوئی محلہ ایسا نہ تھا جس میں کہیں نہ کہیں آگ نہ لگی ہو اور آدھی رات کے قریب لوگ آگ بجھانے نہ اٹھے ہوں۔

اس آتش کے بانی شہر کے بدمعاش تھے جو مغلوں سے ملے ہوئے تھے اور انہی کے اشارے سے قطب شاہی دارالسلطنت کو تباہ اور یہاں کے باشندوں کو پریشان کر رہے تھے ان کی ایک اچھی خاصی جماعت تھی جو بازاروں اور خصوصاً کاروان کے تاجروں کے مکانوں میں چلتے چلتے آگ لگا دیتی تھی اور جب سب محلہ والے مکانوں کی آگ بجھانے میں مشغول رہتے ان میں سے بعض تو دوکانوں کو لوٹ لیتے اور بعض آگ بجھانے کے حیلے سے مکان کے محفوظ حجروں میں پہونچکر جو کچھ ہاتھ لگے اٹھا لیجاتے ۔ اسطرح زوال سے پہلے ہی یہ شہر مغلوں کی سازش کا آماجگاہ بن چکا تھا ۔

میرا مکان مناسب احتیاط اور نگرانی کے سبب سے ایک دفعہ بھی نہیں جلا ، میں نے اپنی حفاظت کی حتی الامکان کوشش کی بغیر اس کا اطمینان کئے کہ باورچی خانہ کی آگ اور گھر کے تمام چراغ وغیرہ بجھ گئے ہیں میں کبھی نہ سوتا تھا ۔ نیز تمام حوضوں میں کافی پانی جمع رکھتا تھا تاکہ بر وقت کام آسکے ۔ یہی اسباب تھے کہ میرے مکان کو آگ نہیں لگی اور میرے ہمسایوں کا بھی زیادہ نقصان نہیں ہوا ۔ سبھوں نے مجھے اپنا خیر خواہ اور نجات دہندہ خیال کیا اور اچھے سے اچھے تحفے تحائف بھیجتے رہے

ان واقعات کے بعد سے ہر شخص مجھے خوش قسمت فیاض الدین پکارنے لگا ۔

میں نے اس نام سے سخت ناراضی ظاہر کی اور کہا کہ "مجھے سمجھدار فیاض الدین" پکارو"
اگرچہ اس میں میرا غرور ظاہر ہوتا تھا لیکن میں دہی مشہور ہونے سے مغرور بننا زیادہ پسند کرتا ہوں

—— (۲۵) ——

ایک رات میں ذرا دیر سے اپنے ایک دوست کے گھر سے تنہا اپنے مکان کو واپس ہو رہا تھا۔ سڑکوں پر سوائے چوکیداروں کے اور کوئی نہ تھا اور وہ بھی سو رہے تھے جب میں کاروان کے بڑے حوض کے قریب سے گذرا تو پانی کے بہنے کی آواز سنائی دی دیکھنے سے معلوم ہوا کہ حوض کے نیچے والی موری کا دہانہ کھول دیا گیا ہے جس کے باعث قریب قریب آدھا حوض خالی ہو گیا ہے میں نے اس کو بند کر دیا۔ اور اپنا راستہ لیا لیکن ابھی تھوڑی دور جانے نہ پایا تھا کہ ایک اور حوض کا پانی بہتا ہوا دکھائی دیا یہہ حوض ایک مالدار ساہوکار کے گھر کے آگے تھا میں نے اس کو بھی بند تو کر دیا لیکن سوچنے لگا کہ یہہ کام نادانستہ طور پر نہیں ہوا ہوگا۔ بلکہ کسی نے شرارت کے ارادے سے ایسا کیا ہے غرض میں جب مکان کی طرف چلا تو راستے میں جتنے حوض تھے سب کا یہی حال پایا اب میں سمجھ گیا کہ آج رات حیدرآباد کے مکانوں کو ضرور آگ لگائی جائیگی میں نے فوراً اپنے ایک دوست منعم خاں کو جو حیدرآباد میں بہت بڑا تاجر تھا جگایا اور حالات سے مطلع کیا کہ آج رات ضرور آگ لگے گی خصوصاً تمہارا مکان تو بیحد خطرے میں ہے کیونکہ تمہارے گھر کا حوض خالی ہو گیا ہے۔

منعم خاں نہایت ہوشیار اور مستعد آدمی تھا اس کی وجہہ سے اس کے ملازمین بھی بڑے جانثار اور جفاکش بن گئے تھے اس نے یہہ حالات معلوم کر کے سب سے پہلے

دیوان کے پاس خبر بھیجی کہ وہ ہوشیار رہے اور شاہی عمارتوں کی حفاظت کرے نیز شہر کے بڑے بڑے امرا اور سوداگروں کے پاس کہلا بھیجا۔ غرض تمام شہر میں تھوڑے ہی عرصہ میں اعلان کر دیا گیا اور سب لوگ اس آنے والے خطرے سے ہوشیار ہو گئے۔

ابھی آدھا گھنٹہ بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ خود منعم خاں کی کوٹھی کے پچھلے حصہ میں آگ لگ گئی لیکن لوگ چونکہ پہلے سے ہوشیار تھے آگ جلد بجھا دی گئی اور زیادہ نقصان نہ ہونے پایا۔ اسی وقت اس ساہوکار کے مکان میں بھی آگ لگی جس کے سامنے والے حوض کو میں نے خالی ہونے سے بچایا تھا نیز اور کئی مکانات جلنے لگے لیکن چونکہ لوگ پہلے ہی سے واقف ہو گئے تھے اس لئے کسی کا زیادہ نقصان نہ ہونے پایا۔

(٣٦)

دوسرے دن جب میں بازار میں نکلا تمام سوداگروں نے مجھے گھیر لیا اور کہا "تم ہمارے خیر خواہ ہو اور پچھلی رات تم ہی نے ہماری جان و مال کو بچایا ہے" سب کے سامنے منعم خاں نے اشرفیوں کی ایک بڑی تھیلی پیش کی اور ایک بیش بہا ہیرے کی انگوٹھی میری انگلی میں پہنائی شہر کے امراء نے بھی میرے پاس قیمتی تحایف روانہ کئے دیوان نے بھی ایک بڑا ہیرا روانہ کیا اور لکھ بھیجا کہ "یہ اس شخص کا انعام ہے جس نے حیدرآباد کو آتش زدگی سے بچایا اور مغلوں کی ایک بڑی سازش کا قلع قمع کیا۔"

ان واقعات کے بیان کرنے میں بعض مغرورانہ جملے میری زبان سے نکلے ہیں امید کہ آپ مجھے معاف فرمائنگے چونکہ آپ میری سرگذشت سننا چاہتے تھے اس لئے

ہیں اپنی زندگی کے اہم واقعات ظاہر کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

غرض اس دن چوبیس گھنٹوں کے اندر ہی اندر میں جتنا مالدار اور شہر والوں کی نظروں میں جس قدر عزیز بن گیا اس کا مجھے پہلے خواب وخیال بھی نہ تھا۔ اب میں نے اپنی حیثیت کے مناسب ایک مکان لیا اور چند غلام مول لئے اور ملازمین بھی رکھے، ایک دفعہ مکان آرہا تھا کہ ایک کوہٹی نے ملکر کہا کہ "سرکار کے پاس بہت سے غلام ہیں اگر حکم دیں تو میں انکے لئے کم دام میں کپڑے تیار کرا دوں"

اس کوہٹی کے حالات کچھ مشتبہ سے تھے اور مجھے اسکے چہرے سے نفرت ہوگئی تھی لیکن میں نے خیال کیا کہ کاروبار میں اپنی وہم پرستی کو ہرگز دخل نہیں دینا چاہئیے۔ اور اگر یہہ شخص دراصل دوسروں کے مقابلے میں سستے کپڑے تیار کرا دے تو مجھے صرف اس بنا پر اس کی درخواست رد نہیں کر دینی چاہئیے کہ اس کا چہرا منحوس ہے اور اس کے اطوار مشتبہ ہیں غرض میں نے کوہٹی کو ہمراہی کا حکم دیا اور کہا کہ میں اس پر غور کروں گا۔

مکان آکر جب میں نے اس سے باتیں کیں تو اس کی مدلل گفتگو اور سنجیدہ بحث سے متحیر رہ گیا، تاہم اس کی باتوں میں کہیں کہیں ضرور پانی مرتا تھا، میں نے اثنائے گفتگو میں اس سے دریافت کیا تھا کہ یہہ کپڑے اس نے کہاں سے حاصل کئے لیکن یہہ سنتے ہی وہ فوراً گھبرا گیا اور مجھے شبہہ پیدا ہوا کہ ضرور دال میں کالا کالا ہے، میں سمجھ گیا کہ کپڑے یا تو چرائے ہوئے ہیں یا ایسے لوگوں کے ہیں جو کسی متعدی بیماری سے مرے ہیں۔

—————— ۲۷ ——————

کوہٹی نے اپنے نوکروں کے ذریعہ سے کپڑوں کا صندوق منگایا اور کہا کہ آپ ایسے

کھول کر ملاحظہ کیجئے جو کپڑے پسند آئیں لے لیجئے۔ اس سے آپ کو یہہ معلوم ہو جائیگا کہ کپڑے چرائے ہوئے ہرگز نہیں ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ تم خود کھولو۔ اس پر کوہٹی کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا بات بنانے کو اس نے کہا کہ میں اصلی کونجی بھول آیا ہوں اور ابھی لے آتا ہوں یہہ کہہ کر چلا گیا اور دوسرے روز اپنے غلاموں کے ذریعہ سے صندوق منگالیا۔

ایک زمانہ تک نہ وہ کوہٹی ملا اور نہ اس کے متعلق کوئی خبر ہی معلوم ہوئی لیکن ایک دفعہ جب میں منعم خاں کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہی کوہٹی سامنے کے دالان سے میری آنکھ بچاتے ہوئے دروازوں کے باہر نکل رہا ہے میں نے منعم خاں سے کہا کہ "جناب اگر آپ اس کو اپنے خانگی معاملات میں مداخلت نہ سمجھیں تو میں اس قدر دریافت کرنے کی جرات کرتا ہوں کہ آپ کے تعلقات اس کوہٹی کے ساتھ کس قسم کے ہیں؟" اس نے جواب دیا کہ

"یہہ کوہٹی میرے غلاموں کے لئے بہت ارزاں کپڑے تیار کر رہا ہے" میری لڑکی رضیہ کی شادی میں میرا خیال ہے کہ تمام اقربا اور ملازمین کو اچھے کپڑے پہناؤں خصوصاً رضیہ کی سہیلیوں کے لئے تو اچھے کپڑے لازمی ہیں"۔ میں نے اپنے دوست سے کوہٹی اور اسکے کپڑوں کے متعلق اپنے شبہات بیان کئے جیسا میں نے ابھی کہا ہے منعم خاں بڑا ہوشیار اور چالاک آدمی تھا اس نے فوراً تحقیقات شروع کی۔ اسکے ہمسایہ میں ایک فوجی افسر رہتا تھا یہہ افسر اس فوج میں بھی موجود تھا جس میں کثرت سے وبا پھیل گئی تھی منعم خاں نے اس سے کوہٹی کے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ وہ سپاہیوں کو لالچ دے دے کر وبا کے بیماروں اور مردوں کے کپڑے جن کو جلانے کا حکم تھا خود حاصل کر لیتا تھا اور اس وقت

اسکے پاس جو کپڑے ہونگے وہ غالباً وہی کپڑے ہوں گے۔

منعم خاں اور اس فوجی افسر نے فوراً کوتوال کو اطلاع دی کہ اگر اس کوٹھی اور اسکے کپڑوں کو جلد سے جلد گرفتار نہ کر لیا جائیگا تو وہ حیدر آباد میں بھی وبا پھیلا دیگا، لیکن قبل اس کے کہ وہ گرفتار کر لیا جاتا کوٹھی اپنے کپڑوں سمیت شہر سے فرار ہو گیا تھا۔ تحقیق و تفتیش سے معلوم ہوا کہ اس نے نگلبرگہ کا رخ کیا ہے۔ ہمیں خوشی ہوئی کہ ہم نے حیدر آباد کو وبا سے بچا لیا

میرے دوست منعم خاں نے میرا نہایت گرم جوشی سے شکریہ ادا کیا کہ تم نے اس سے قبل میرے مال و دولت کو بچایا تھا اور اب میری جان بچائی اور نہ صرف میری جان بلکہ میری عزیز ترین بیٹی یعنے رضیہ کی جان بھی!

اس نام نے مجھ پر ایک خاص اثر کیا اور میں اس راز کو چھپا نہ سکا۔ میں ایک دفعہ رضیہ کو اچانک دیکھ چکا تھا اور اسی وقت سے اس کے حسن پر شیدا ہو گیا تھا۔ لیکن جب میں یہ جانتا تھا کہ اس کی شادی ایک دوسرے تاجر کے لڑکے سے ہونے والی ہے تو اپنے جذبات کو روکتا اور اس کے خیال کو دل سے نکال دینے کی کوشش کرتا رہا۔ اس وقت اسکے باپ نے اسکا ذکر چھیڑ کر میرے جذبہ کو نئے سرے سے تازہ کر دیا تھا جس کی وجہ سے میں اپنا وقتیہ اضطرار چھپا نہ سکا۔

—————— ۲۸ ——————

منعم خاں میری باطنی حالت کو سمجھ نہ سکا۔ اس نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ احسان فراموشی ہوگی اگر میں تمہیں اپنی لڑکی کی سالگرہ کی تقریب میں دعوت نہ دوں

تیسرے دن سالگرہ کی دعوت تھی میں بھی گیا، اس دن منعم خاں نے معمول سے زیادہ آؤ بھگت کی اور سب دعوتیوں کے رخصت ہونے تک مجھے روک رکھا جب سوائے میرے کوئی اور باقی نہ رہا تو اپنے ہونے والے داماد کی شکایتیں شروع کیں کہ:۔

"میرا کچھ بھی لحاظ نہیں کرتا چنانچہ آج کی دعوت میں بھی نہیں آیا۔ اور نہ رضیہ کے لئے کپڑوں کا جوڑا اور پھول روانہ کئے، میں اس مغرور سے بیزار ہو گیا ہوں، سنا کہ وہ نشہ باز ہے اور ملازموں کے ساتھ اس کا برتاؤ نہایت خراب ہے، فیاض الدین تم جانتے ہو میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور مجھے اس وقت ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو میرے کاروبار کو خوبی سے چلائے اور رضیہ میری جان سے زیادہ عزیز رضیہ کو خوش رکھے۔"

میں نے کہا کہ "جناب اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں آپ کے داماد سے ملتا ہوں اور سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں ممکن ہے کہ وہ راہ راست پر آجائیں۔"

منعم خاں نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا کہ "اب وقت نہیں رہا اس میں میری اور بھی سبکی ہوتی ہے، فیاض الدین اگر تم ناراض نہ ہو تو میں تم سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا تم نے اپنی شادی کی اب تک کوئی فکر کی ہے؟"

اس غیر متوقع سوال پر میں حیران رہ گیا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا کہ "میرا ہر کاروبار آپ پر ظاہر ہے چونکہ آپ مجھ پر باپ کے مانند مہربان نظر آتے ہیں اس لئے اس قدر کہنا مناسب سمجھتا ہوں کہ مجھے اب تک شادی کی فکر کرنے کا موقع نہیں ملا ہے، اور چونکہ میرے سر پر کوئی بڑا بوڑھا شخص نہیں ہے اسلئے میں آج کل میں آپ ہی سے اسکے متعلق مشورہ لینا چاہتا تھا"

اس کے بعد انکسی پرخلوص گفتگو رہی کہ آخر میں منعم خاں کو کہنا پڑا کہ:۔

"میں نے اب تک تمہارے کردار کا بہت غور سے مطالعہ کیا ہے میں نے دیکھا کہ تمہاری عقل ہمیشہ فتحمند رہی ہے، اس لئے میں رضیہ کو تمہارے سپرد کرتا ہوں مجھے یقین ہے کہ تم اس کو خوش رکھو گے۔ اس میں شک نہیں کہ میں نے جس شخص سے شادی کر دینے کا وعدہ کیا تھا وہ تم سے بہت زیادہ مالدار آدمی ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ بدکردار اور نشہ باز ہے غلاموں کو بے موقع سزائیں دیتا ہے، خدا کی قسم میری لڑکی ایک ایسے شخص کے پاس ہرگز خوش نہیں رہ سکتی جو ساری رات دیوانہ بنا رہتا ہو اور سارا دن اول درجہ کا بدمعاش۔ مجھے اس کی ناراضی اور خفگی کا کوئی ڈر نہیں، میں اس سے زیادہ مالدار اور صاحب اثر آدمی ہوں۔"

چند روز بعد ہی میرا نکاح ہو گیا، اور اس روز سے خوب صورت رضیہ میری شریک زندگی ہے۔ اگرچہ میری شادی کو عرصہ ہوا لیکن میں اب بھی اس کو خوبصورت رضیہ کہتا ہوں وہ میرے لئے خوشی اور فخر کا باعث ہے، ہماری آپس کی محبت ہماری روزمرہ زندگی کے معمولی معمولی واقعات میں بھی وہ لذت پیدا کر دیتی ہے جو بڑی بڑی کوششوں سے حاصل ہونے والی فتحمندیاں بھی نہیں پیدا کر سکتیں، اس وقت میں جس مکان میں ہوں یہ انہی کے والد کا دیا ہوا ہے، اس نے اپنے سارے جواہر اور ہیرے بھی میرے حوالہ کر دئیے جن کی بنا پر میں آج اس قدر مال و دولت کا مالک ہوں کہ پہلے مجھے اس کا خیال بھی شاید ہی گزرا ہو۔

دولت مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں حاجتمند لوگوں کو اس میں سے کچھ دیا کروں، اسی لئے میں اپنے بھائی کمال کو بھی مجبور کروں گا کہ وہ اپنی بدقسمتیوں کو بھول جائے اور خود کو میری

غیر محدود دولت کا حصہ دار سمجھکر اپنی باقی ماندہ زندگی کے ایام مسرت و اطمینان کے ساتھ گذارے کاہنی بائی کے آئینے اور تمہارے برتن کے متعلق اے میرے پیارے بھائی میں کچھ نہ کچھ ترکیب ضرور نکالوں گا.........

۲۹

فیاض الدین یہاں تک کہنے پایا تھا کہ پیر و مرشد نے اپنا سوداگرانہ بھیس بدل دیا اب فیاض الدین اور کمال کو معلوم ہوا کہ جس بزرگ تاجر کے ساتھ وہ شام سے باتیں کر رہے تھے وہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر غازی ہے، اب انہیں اس خبر کا یقین ہو گیا کہ بوڑھا شاہنشاہ روز راتوں کو بھیس بدل کر نکلتا ہے۔ اورنگ زیب نے کہا "کاہنی کے آئینے اور ٹوٹے ہوئے برتن کے متعلق فکر نہ کرو فیاض الدین! میں تمہارے واقعات سنکر بہت خوش ہوا، روح اللہ خاں اب بھی تم اپنی غلطی کو ماننے کے لئے تیار ہو یا نہیں؟ خوش قسمت فیاض الدین اور بدبخت کمال کے حالات سننے کے بعد اب تمہیں یقین ہو گیا ہو گا کہ انسان کی زندگی پر حادثات اور غیر معمولی واقعات سے زیادہ عقلمندی اور محنت کا اثر پڑتا ہے، فیاض الدین کی فتحمندی اور مسرت عقلمندی کا ثمرہ ہے، اسی کی وجہ سے حیدرآباد وبائی بیماری سے محفوظ رہا، اگر کمال میں بھی اس کے بھائی کی جیسی سمجھ ہوتی تو نہ اس کی گردن اڑانے کا حکم صادر ہوتا، نہ بیل اسکو لات مارتا نہ انگوٹھی کی چوری کا الزام اس پر عائد ہوتا، نہ فوجی لوگ اسکی اشرفیاں چرا سکتے، نہ اس کو گویوں کا نشانہ بنانا پڑتا، نہ وہ جنگل میں بھٹکتا پھرتا نہ کوئی دھوکہ دے سکتا نہ روئی کے گودام کو آگ لگتی، نہ وہ گھبراکر دبا جھیلتا، اور نہ

کا مئی بائی کے آئینہ کو توڑنا" آج سے بدبخت کمال کا نام بیوقوف کمال رکھا جائے۔
اور فیاض الدین کو جس نام کی خواہش ہے وہ آج سے اس کا خطاب ہے۔
اس خطاب کے علاوہ "عقلمند فیاض الدین" کو شاہی دربار میں بھی جگہ دیجا سکتی ہے
میں نہیں سمجھتا تھا کہ اس "دارالجہاد" میں اب بھی ایسے دولتمند تاجر موجود ہیں!!"

—— ۳۰ ——

دوسرے روز صبح میں خدامان شاہی فیاض الدین کی حویلی میں داخل ہوئے اور
شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر غازی کا حکم پہنچایا کہ:۔
"عقلمند فیاض الدین کے یہاں گولکنڈہ کے جتنے ہیرے محفوظ ہیں ان سب کو ملاحظہ
سلطانی میں پیش کیا جائے"
فیاض الدین حیران تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید "عقلمند فیاض الدین" کہلانے سے
"خوش قسمت فیاض الدین" کہلانا ہی زیادہ بہتر ہے۔
خادمان شاہی کو دیکھکر بدبخت کمال بھی فیاض الدین کے قریب آگیا۔ بھائی کو دیکھتے
ہی فیاض الدین نے کہا کہ:۔ "اب میرا یہ خیال غلط ثابت ہو رہا ہے کہ "عقلمندی اور خوش قسمتی
میں چولی دامن کا سا تعلق ہے"
بدبخت کمال نے جواب دیا:۔
نہیں بھائی میں اب بھی یہی کہوں گا کہ میری بدقسمتی کا تم پر بھی اثر پڑ رہا ہے

ورنہ تم اپنی عادت اور دور بینی کے خلاف اجنبیوں کے سامنے اس قدر کھل کر گفتگو نہ کرتے اور نہ اس ذراسی بے احتیاطی کی وجہ سے گولکنڈہ کے ہیرے ہاتھ سے جانے پاتے۔"

مصنّف کی دوسری کتابیں

۱۔ سیر گولکنڈہ با تصویر۔ صفحات ۱۶۰۔ قیمت ۱۵ ار

یہہ مصنف کے ان سولہ افسانوں کا مجموعہ ہے جن میں گولکنڈہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بے نقاب کیا گیا ہے یہہ اصل میں "گولکنڈہ کے ہیرے" کا پہلا حصہ ہے۔ اسکے آخر میں گولکنڈہ کے تاریخی آثار کی موجودہ حالت کا خاکہ اور دیباچہ میں گولکنڈہ کے حکمرانوں کی مختصر تاریخ بھی لکھدی گئی ہے۔ اس کتاب میں بارہ عکسی تصاویر ہیں جن میں سے اکثر نایاب ہیں۔

۲۔ روحِ تنقید۔ تیسرا ایڈیشن۔ ۲۹۰ صفحات۔ قیمت عه ۱۲

روحِ تنقید آپ نے بڑی محنت اور قابلیت سے لکھی ہے۔ میں آپکی اس کوشش کو بہت ہی قابل قدر تسلیم کرتا اور اُردو لٹریچر کی جانب سے آپکا شکر گذار ہوں۔ عبد الحلیم شرر لکھنوی

اپنے موضوع پر اس صدی کی سب سے نمایاں کتاب کہی جا سکتی ہے۔ فاضل مولف نے اسقدر کاوش کی ہے کہ شاید ہم جیسے متعلمین بھی انکے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کر سکیں عبد اللہ العمادی دار الترجمہ

تمام موصولہ کتابوں میں سب سے بہتر تالیف سید محی الدین قادری زورؔ کی ہے جسے روح تنقید کے نام سے انہوں نے شائع کی ہے...... تمام عنوانوں کے تحت فاضل مولف نے اس قدر اچھا مفید اور پر از معلومات مواد پیش کیا ہے کہ بے اختیار جامع کی محنت و کاوش کی داد دینی پڑتی ہے...... جناب زورؔ کا اُردو پر احسان عظیم ہے کہ انہوں نے اس فن کے متعلق ایسی بیش بہا تصنیف پیش کی ہے۔ نیاز فتحپوری

۳۔ تنقیدی مقالات۔ طبع دوم۔ ۴۹۶ صفحات قیمت ۴ر

اعلیٰ اصول تنقید نگاری کی وضاحت کیلئے اُردو کے بہترین ادیبوں اور کارناموں پر بلند پایہ تنقید میں میر تقی میر، میر حسن، میرامن، میر انیس، سودا، غالب، حالی، کیفی، اقبال، اکبر، جوش، عظمت اللہ اور سلیم وغیرہ کے کلام اور تصنیفات پر تفصیلی ناقدانہ نظر۔ یہ کتاب ہندوستان کے مختلف جامعات میں اُردو ادب کے نصاب میں شامل ہے

۴۔ اُردو کے اسالیب بیان۔ طبع سوم۔ ۱۷۶ صفحات قیمت عمہ

اُردو نثر نگاری کی تاریخ جس میں آغاز سے عہد حاضر تک کے بلند پایہ اور معیاری اردو انشا پردازوں کی نثر اور اسکے اسلوب کی خصوصیات پر ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ موجودہ نثر نگاروں کے اسالیب پر جداگانہ اور مستقل تبصرہ۔ جدید اُردو نثر کے رجحانات اور اس کے مستقبل کے متعلق مشورے۔

۵۔ اُردو شہ پارے۔ بالتصویر۔ بڑی تقطیع۔ ۴۰۰ صفحات قیمت ۱۲ر

اردو کے آغاز سے ولی اورنگ آبادی تک کے اُردو ادب (نثر و نظم) کے متعلق جدید ترین تحقیقات اور ادبی کارناموں کے تفصیلی نمونے جو یورپ اور ہندوستان کے متعدد کتبخانوں کے کمیاب قلمی نسخوں سے منتخب کئے گئے ہیں۔ قدیم الفاظ کی فرہنگ اور محققین کیلئے مفید ضمیمے شامل ہیں۔ قدیم شعرا اور قدر دانانِ سخن کی بیش بہا قلمی تصاویر کے عکس بھی شریک ہیں۔

۶۔ عہد عثمانی میں اُردو کی ترقی۔ اوسط تقطیع۔ ۲۰۶ صفحات قیمت ۸ر

گذشتہ پچیس تیس سال سے اُردو ادب میں جو ترقیاں ہوئی ہیں انکا نہایت مفید اور مکمل تذکرہ جامعۂ عثمانیہ اور دار الترجمہ کی مستند تاریخ، حیدرآباد کے جملہ اُردو ادیبوں اور شاعروں وغیرہ پر مکمل تبصرہ، عہد حاضر کے علمی و ادبی رجحانات پر ناقدانہ نظر۔

۷۔ سلطان محمود غزنوی کی بزم ادب۔ ۱۱۷ صفحات۔ قیمت عمر

غزنین کے فارسی شاعروں اور وہاں کی ادبی و علمی چہل پہل کا مبسوط تذکرہ۔ سلطان محمود کی
کی ادبی سرپرستیاں اور اس کے دربار کے شعرا کے حالات اور کلام پر تبصرہ فارسی زبان پر ان شعرا کی کاوشوں کا اثر وغیرہ

۸۔ ہندوستانی صوتیات (بزبان انگریزی) ۱۱۶ صفحات۔ قیمت عہ

اردو زبان کا صوتی تجزیہ و تشریح جو سوربون (پیرس یونیورسٹی) کے مشہور ادارۂ صوتیات میں
دو سال تک عملی تحقیقات کرنے کے بعد مرتب کیا گیا ہے۔ اردو زبان کے متعلق پہلی فنی و علمی کتاب
جس میں جدید ترین عملی صوتیاتی آلوں اور گردونوں کے نتائج کے تقریباً پچھتر فوٹو اور نقشے شامل ہیں

۹۔ ہندوستانی لسانیات۔ بڑی تقطیع۔ ۱۲۰ صفحات قیمت عا

اردو زبان کا لسانی تجزیہ و تشریح جسکے پہلے حصہ میں علم لسان کے مقاصد، فوائد، تاریخ، اور زبان
کی ماہیت ارتقا اور تشکیل سے متعلق عام اور اصولی معلومات قلمبند کرکے دنیا کی زبانوں کی تقسیم،
مختلف خاندان اور خاصکر ہندوستان کی زبان پر بحث کیگئی ہے۔ اور دوسرے حصہ میں اردو کے
آغاز، ارتقا، ادبی بولیوں، اور ہمہ گیری پر جدید ترین تحقیقات پیش کرکے اردو ہندی کے جھگڑے
اور اردو کے جدید رجحانوں اور ضرورتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۰۔ فن انشا پردازی۔ اوسط تقطیع۔ ۱۱۶ صفحات۔ قیمت عہ

اردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب۔ مضمون نگاری اور انشا پردازی کے راز اور فن تحریر میں
کامیابی کے عملی طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ اردو زبان میں ہر قسم کے موضوعوں پر لکھنے کی ترکیبیں
اور انشا پردازی میں کامیابی حاصل کرنے کے وسائل

دورِ عثمانی کا سب سے بڑا اور پہلا نمائشوں سے طلائی تمغے یافتہ

محبوبیہ جلد ساز کارخانہ

حیدرآباد دکن رجسٹر شدہ سرکار عالی

ہندوستان کا وہ واحد کارخانہ ہے جو اپنے کام کی نفاست پائیداری و خوبصورتی اور جدت پسندی کی وجہ یورپ تک شہرت رکھتا ہے اور اس کے ملکی وفنی خدمات خاص و عام میں خاص وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور یہ کارخانہ اپنے کام کو نئی نئی جدتوں کے ساتھ پیش کرتے رہتا ہے جس کا اعتراف ہندوستان کے چوٹی کے رسائل وغیرہ میں ہوا کرتا ہے۔

ہمارے شوروم میں ہماری جدتوں کے صدہا نمونہ جات مفت ملاحظہ فرمائیے

شیخ محبوب قریشی بانی و مہتمم